شمارہ نمبر ۱۳ بسم اللہ الرحمن الرحیم جون ۲۰۲۳ء

وقل جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

مجلّہ پشاور

راہ ہدایت

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر
طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

(واٹس ایپ رابطہ نمبر:03428970409)

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد　　یااللہ مدد　　عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد

بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ　　پشاور

راہِ ہدایت

فہرست مضامین

=÷=

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

فنون کا ماہر لیکن مسلک و نظریے کا کچا

اسباق کا نیا سال شروع ہوا ہے الحمدللہ کتابیں مدرسین حضرات کو تدریس اور پڑھانے کے لیے مل گئی ہیں۔بندہ عاجز ایک درخواست کرتا ہے کہ صرف کتاب کے حل پر اکتفاء نہ کریں بلکہ طلباء کو کتاب پڑھانے کے ساتھ ساتھ اپنا مسلک بھی سمجھائیں اور پڑھائیں اس کا فائدہ کیا ہو گا! آئیں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی زبانی سن لیں۔

حیاۃ ترمذی میں لکھا ہے کہ

جس مجلس میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع رح کو تفسیر " جواہر القرآن" اور اس کے رد میں لکھی ہوئی کتاب " هداية الحيران" کا مسودہ دکھایا غالباً اسی مجلس میں یہ بات بھی آئی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ طالب علم آٹھ سال تک ہمارے مدرسہ میں پڑھتا ہے مختلف اساتذہ کرام علماء عظام سے علم حاصل کرتا ہے جو علم و عمل کے پہاڑ معقول اور منقول کے ماہر ہوتے ہیں ہمارے ہی مدارس طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں بھی فراہم کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو مہینے کسی دوسری جگہ دورہ تفسیر پڑھنے سے ان کا ہم مسلک ہو جاتا ہے۔اس کا ذکر بڑے تعجب کے انداز میں کیا گیا۔حضرت مفتی صاحب رح نے فرمایا بھائی! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں طالب علم کو صرف کتاب پڑھائی جاتی ہے جس فن اور موضوع کی کتاب ہے استاد طالب علم کو وہی پڑھا تا دیتا ہے۔ہدایہ پڑھانے والا بس ہدایہ پڑھا رہا ہے اور جلالین والا جلالین، کتاب تو محنت سے پڑھا دی جاتی ہے جس میں محنتی طالب علم ماہر بن جاتا ہے لیکن مسلک نہیں پڑھایا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد علوم و فنون میں تو خوب ماہر ہوتا ہے مگر مسلک مزاج اور ذوق کا اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا۔دوسرے حضرات ایک دو ماہ میں صرف تفسیر ہی نہیں پڑھاتے بلکہ اس مختصر وقت میں تفسیر تو پڑھانا ممکن ہی نہیں، بلکہ وہ حضرات تفسیر کے نام پر اپنا مسلک پڑھاتے ہیں

=÷=

۔طالب علم کے ذہن میں اپنے نظریات اور مسلک ڈالا جاتا ہے۔اسی کی خصوصی تربیت اس کو دی جاتی ہے اس مختصر سی مدت میں وہ انہی کا ہو جاتا ہے۔جو چیز آٹھ دس سال کے عرصہ میں اس کو نہیں ملی تھی وہ دو ماہ میں مل گئی، یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ طالب علم کو صرف کتاب نہیں پڑھانی چاہیے بلکہ کتاب کے ساتھ اس کو اکابر کا مسلک و مشرب ان کے عقاید و نظریات بھی پڑھائے جائیں اور اکابر کا ذوق و مزاج بھی سکھایا جائے۔اس کے لیے ملک کے بڑے ادارے اگر اہتمام کریں تو جلد فائدہ کی امید ہے۔

(حیاۃ ترمذی379)

ہمارے اکابر میں فقیہ العصر مفتی عبد الشکور ترمذی رح اور امام اہل السنّۃ والجماعت شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، بحر العلوم علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ سبق پڑھانے کے ساتھ ساتھ مسلک کو سمجھایا کرتے تھے۔

راقم الحروف کے تمام اساتذہ کرام بہت بڑے شان کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بلند درجات سے نوازیں لیکن سبق کے ساتھ ساتھ عقیدہ،مسلک اور اکابر کا ذوق سمجھانا سیدی مولائی مرشدی حضرت الشیخ سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ کا طریق تھا اور ہے۔الحمدللہ ہمارے کئی دیگر حضرات نے بھی اپنی اپنی مدارس اور درس گاہوں میں یہ طرز اختیار کیا ہوا ہے۔جس کا نتیجہ الحمدللہ سو فی صد ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

استاد مکرم متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب حفظہ اللہ نے اپنے اکابر کا مسلک اور مزاج پڑھانے کا خود بھی ذمہ داری لیا ہوا ہے اور حضرت کے تلامذہ نے بھی اپنے شیخ کا انداز اختیار کیا تو علماء طلباء میں مسلک کی پختگی نظر آئی۔ان کے لیے حضرت الشیخ نے سب سے قبل المہند کا درس و تدریس شروع کیا۔مختلف دورے کیے،اندرون وبیرون ملک ان دروس سے کافی استفادہ کیا گیا اور یہ دروس نٹ پر بھی محفوظ ہیں جو احناف میڈیا سروس کے پیج پر قارئین کو ہر وقت مل سکتی ہے۔

المہند کے دروس کے حوالہ سے حضرت مولانا مفتی محمد شاہد سہارنپوری صاحب امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور یوپی انڈیا کا ایک ارشاد ملاحظہ کریں

=÷

"اور یہ بات بھی بڑی اہمیت کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ المہند علی المفند نامی کتاب کو باضابطہ طور پر درس و تدریس کے میدان میں تحقیق و تشریح کے ساتھ پڑھانے اور اس کو باقاعدہ ایک فن قرار دے کر علم و تحقیق کا موضوع بنانے کا سہرا ہمارے اس زمانے میں حضرت مولانا محمد الیاس گھمن (پاکستان) کے سر پر ہے، جو کہ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی کے دامن گرفتہ اور ان کی جانب سے اجازت بیعت و خلافت پائے ہوئے ہیں۔

(فکر خلیل کے محافظ مولانا عبدالحفیظ مکی رح 18 الخلیل پبلشنگ ہاؤس)

خلاصہ یہ کہ المہند کو باقاعدہ تدریس کی زبان حضرت استاجی نے دیا ہے۔ حضرت الشیخ کے علاوہ شیخ کے منتسبین میں سے محقق العصر کہنہ مشق مدرس فضیلۃ الشیخ مولانا ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ کا بھی یہی طرز ہے کہ وہ اپنے اکابر کا مسلک و مزاج طلباء کرام رگ و پے میں منتقل کرنے کا گر جانتے ہیں خصوصاً ان کے شرح عقاید کے دروس اس پر گواہ ہیں۔ حتیٰ کہ شرح عقاید کے اختتام پر باقاعدہ طلباء سے یہ عہد لیتے ہیں کہ آیندہ کے لیے مستقل اپنے اکابر کے مسلک و مزاج کے پابند رہو گے۔ یہی وجہ ہے کہ الحمدللہ شیخ کے اندرون و بیرون حلقہ احباب میں پکے ٹکے دیوبندی ہے ان کے منتسبین میں مذبذب بالکل نہیں ہے۔

ہمارے کے پی کے میں مناظر اسلام ترجمان علماء دیوبند شہزادہ اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی صاحب حفظہ اللہ کے مرکز اور جامعہ کا بھی یہی طرہ امتیاز ہے اور ان کی تو پورے محنت کا خلاصہ یہی ہے کہ علماء طلباء اپنے اکابرین کے مسلک و منہج پر مکمل عمل پیرا ہو، اور حضرت اقدس کی محنت کے برکت سے ہمارے دیار کا فضاء مکمل بدلا ہوا ہے الحمدللہ۔ یا تو وہ ایام تھے کہ اہل بدعت چاہے مماتی ہو، بریلوی، سیفی ہو یا غیر مقلد، آئے دن اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند والوں کو چیلنج کیا کرتے تھے اور کسی جگہ مقام کے پرواہ کیے بغیر اپنے مخصوص مسایل کو چھیڑتے۔ اور اب فضاء یہ ہے کہ اہل بدعت صرف اپنے حلقہ احباب تک محدود ہے مجال ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اکابر دیوبند کو کھلے عام چیلنج کریں، اگر غلطی سے بھی کسی نے چیلنج کیا تو اس کے بعد ان کا جو حشر ہونا ہے وہ پوری دنیا دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد مجاہد اور ان کے پورے ٹیم کو شاد و آباد رکھیں۔ کئی دیگر حضرات کا بھی یہی مزاج ہو گا کہ وہ درس گاہ میں اپنے اکابر کا مسلک و منہج پر زیادہ زور دیتا ہوں۔ لیکن وہ راقم کے علم میں نہیں

=÷

ہے۔خود راقم اثیم کا بھی یہی وطیرہ ہے کہ طلباء کو فنی مسائل کے دوران مسلکی باتوں سے آشنا کراتا ہوں۔اس کی تو کئی مثالیں موجود ہیں صرف ایک پر اکتفاء کرتا ہوں۔

علم النحو میں ایک اصطلاح ہے کہ جملہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱:جملہ خبریہ ۲:جملہ انشائیہ

اب اس کی اجراء کے لیے ابتدائی نحو کے اندر جو مثالیں دی جاتی ہے اس کو سمجھانے کے بعد طلاق ثلاثہ والی روایت جو غیر مقلد مسلم شریف سے پیش کرتے ہیں کا اجراء کراتا ہوں۔

مسلم شریف میں ہے کہ نبیؐ کے زمانے میں حضرت صدیقؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دو سال تک تین طلاق ایک ہوتی تھی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگوں نے جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا ہے اس لیے آپ نے ان پر تین طلاق نافذ کر دیا۔اب اگر کوئی آدمی انت طالق انت طالق انت طالق کہتا ہے تو اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ایک تو یہ کہ ہر بار جملہ انشائیہ ہو اور ہر بار نئی طلاق پیدا کرنا مقصود ہو تو اس صورت میں تین طلاق ہو گی۔اور اگر پہلا جملہ انشائیہ کہے اور دوسرا تیسرا خبریہ یعنی اس کا مقصد پہلے جملے سے طلاق واقع کرنا اور دوسرے و تیسرے جملہ سے اس واقع شدہ طلاق کی خبر دے دیں۔تو پھر ان جملوں سے ایک ہی طلاق مانی جائے گی۔نبی کریمؐ اور صدیق اکبرؓ کے زمانے میں لوگوں میں جھوٹ فریب نہ تھا اگر ان کا ارادہ تین کا ہو تا بتا دیتے اور اگر وہ کہتے کہ ان لفظوں سے ہمارا ارادہ تاکید تھا تو ان لفظوں سے ایک طلاق مان لی جاتی، حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام دور دور تک پھیل گیا تو لوگ طلاق میں بے احتیاطی کرنے لگے آپ نے محسوس کیا کہ لوگ تین دے کر بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہماری نیت ایک طلاق دینے کی تھی۔تو آپؓ نے فرمان جاری کیا کہ ایسی صورت میں تین طلاق مانا جائے۔

اب دیکھیں کتنا اہم مسئلہ نحو کی اصطلاح یعنی جملہ انشایہ اور جملہ خبریہ کے ساتھ آسانی سے حل ہو تا ہے اور طلباء کے ذھن میں نظریہ بھی آجاتا ہے۔فلہٰذا علماء کرام خصوصا مدرسین حضرات سے عاجزانہ درخواست ہے کہ فنی مسایل میں مسلکی مزاج پیدا کریں تاکہ ہمارے طلباء غیر کا شکار نہ ہو۔خود بندہ عاجز علم النحو اور علم منطق کے اصطلاحات میں مسلکی مسائل کے اندر اجراء کے لیے مولانا سیف الرحمن قاسم صاحب کے دروس سے استفادہ کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

=÷

مولانا عبد الجبار سلفی صاحب حفظہ اللہ

مولانا بندیالوی کے ایک ارشاد پہ تبصرہ

مولانا عطاء اللہ بندیالوی کی ایک تقریر پر ہمیں اپنے طویل سفر کے دوران تبصرہ کرنا پڑ رہا ہے۔ طائف سے الباحۃ کی شاہراہ پہ کم و بیش 55 کلومیٹر کے فاصلہ پہ شقصان نامی ایک خوبصورت شہر ہے جس سے 17 کلومیٹر آگے بغلی روڈ پہ الشوحطہ کی ایک آبادی ہے جسے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی وادی بھی کہا جاتا ہے۔ الشوحطہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دوسرا معروف شہر المناصیر واقع ہے۔ سعودی عرب کے تقریباً ہر چھوٹے بڑے شہر میں زندگی کی بنیادی سہولتوں نے اپنا جال بچھا رکھا ہے۔ اور قدم قدم پہ قانون کی بالادستی قائم نظر آتی ہے لیکن ہمارے اس سفر کے چند لمحات تب مکدر ہوئے جب مولانا بندیالوی کا ویڈیو کلپ سنا شقصان نامی اس شہر میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد پاکستان سے ایک شناسا نے جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے مبلغ جناب مولانا عطاء اللہ بندیالوی کا ایک تقریری کلپ ارسال کیا جس میں وہ کہتے ہیں کہ:

> "سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک انچ زمین فتح نہیں ہوئی جبکہ اس کے برعکس سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات کا نہ تھمنے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا"

یہ بے رنگی اور بے روح واعظانہ بات فقط مولانا عطاء اللہ صاحب سے نہیں سنی گئی بلکہ ہر اس شخص کے نوک زباں پہ رہتی ہے جو مقام خلافت، فلسفہ اسلامی سیاست، اور شورش و خانہ جنگی کے زمانہ کا گہرائی سے مطالعہ کئے بغیر محض کسی کی مخالفت میں سینہ تان کے اسٹیج پہ آجائے اور پھر آنکھیں بند کر کے اپنے منہ سے لفظوں کی گولہ باری شروع کر دے۔

حالانکہ بالکل آسان اور عام فہم اصول ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا شمار خلفاء موعودہ میں ہوتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی آیت تمکین اور آیت استخلاف کی روشنی میں جن شخصیات کی جانشینی بطور اقتضاء النص ثابت ہے وہ چار یاران مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی ابتدا ابو بکر کی الف سے اور انتہا علی کی یاء پہ ہوتی ہے۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

قرآن مجید کی رو سے خلفاء اوّلین کا مہاجرین میں سے ہونا علم الٰہی میں طے شدہ تھا۔ جس کا ظہور خلفاء اربعہ کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ کیونکہ چاروں خلفاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے ہیں۔

اب نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت راشدہ موعودہ کا معیار ارضی فتوحات نہیں ہیں بلکہ معیار ہجرت ہے۔ اور یہ معیار اللہ کریم کی آخری لاریب کتاب میں موجود ہے

اس بنیادی اصول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ان لوگوں نے بھی ٹھوکر کھائی ہے جنہوں نے ان ساری شورشوں کا ذمہ دار مظلوم مدینہ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو قرار دے دیا۔ اور ان پہ اقرباء پروری کا الزام لگا کر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر دی۔ جن میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے بھی حصہ بقدر جثہ کے تحت اپنی قلمی جولانیاں دکھائیں۔ یہ کس قدر ظالمانہ عندیہ اور بیانیہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اگر رشتہ داروں کو نہ نوازتے تو لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا نہ ہوتیں۔ غلط فہمیاں پیدا نہ ہوتیں تو بغاوتوں کا آغاز نہ ہوتا۔ بغاوتیں سر نہ اٹھاتیں تو بلوائیوں کو اکٹھا ہونے کی جرأت نہ ہوتی۔ جب ان کے خون آشام ہاتھوں سے خلیفۃ الرسول کی شہادت ہو گئی اور تلواروں کے سائے میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ رک گیا تو اس سارے قضیہ کے (معاذ اللہ) ذمہ دار حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ ٹھہرے۔

اب یہاں روافض کا خالص شیطانی نظریہ اٹھا لیجیے، ان کا کہنا ہے کہ اس ساری گڑبڑ کے ذمہ دار کل کے کل صحابہؓ ہیں جنہوں نے وفات رسول ﷺ کے بعد یکے بعد دیگرے خلفاء ثلاثہ کو خلافت منتقل کی اور یوں آنے والے وقتوں کی ساری مصیبتیں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے جمع کرتے گئے۔ چنانچہ اہل تشیع سے لے کر مودودی صاحب تک اور مودودی صاحب سے جناب مولانا بندیالوی تک کیا سب کے سب امت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے برگشتہ و بیزار کرنے کے لئے ایک ہی مرض کے مریض نظر آتے ہیں۔ اور وہ قدر مشترک مرض خلافت موعودہ کو اپنی نادانی و بے وقوفی یا سازش کے تحت متنازعہ بنانا ہے۔

لیکن مولانا بندیالوی صاحب کے ہاں اگر قبولیت یا خلافت راشدہ کا معیار زمینیں فتح کرنا ہی ہے تو ہم عرض کریں گے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کا پھیلنا بھی تو آل علی کا فیضان ہے۔ کیونکہ سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بے مثال قربانی، جذبۂ ایثار اور جوش وحدت و یگانگت سے جہاں صحیح بخاری کی روایت کے مطابق نبی علیہ السلام کی مبارک پیش گوئی پوری ہوئی اسی کے نتیجے میں حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کو پر امن اقتدار ملا تھا اور اسی پر امن ماحول میں دین اسلام نے چہار دانگ عالم اپنی عظمتوں کا لوہا منوایا تھا۔ تو کیا تاریخ اسلام کی ان خوش گوار یادوں میں آل علی کے کردار سے ءص بصر کیا جاسکتا ہے؟

مولانا بندیالوی صاحب کو تو خوب تجربہ ہو گا کہ جب تحریکوں کے طوفان اٹھتے ہیں تو کیسے کیسے واقعات جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ جناب بندیالوی صاحب خود ماضی قریب کی اس آزمائش میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔

اس کا اجمال ہم بتا دیتے ہیں جبکہ تفصیلات بندیالوی صاحب کو ہی بتانی چاہئے کیونکہ تاریخ ان کی دلچسپی کا موضوع ہے۔ آج بھی بہت سارے دوستوں کو یاد ہو گا کہ 1994_95ء کے دور میں مختلف شہروں میں دیواروں پہ جگہ جگہ چاکنگ نظر آتی تھی اور جلی حروف میں نام ہمارا دفاع صحابہ کام ہمارا اسپاہ صحابہ لکھا نظر آتا تھا۔ یہ دفاع صحابہ نامی تنظیم جناب بندیالوی صاحب نے اس دور میں سپاہ صحابہ کی مقبولیت سے مرعوب اور لیڈری کی رغبتوں سے مرغوب ہو کر تشکیل دی تھی۔ اس دور میں سرگودھا کے ڈپٹی کمشنر تجمل عباس ہوا کرتے تھے جنہیں بعد میں نامعلوم افراد نے قتل کر دیا تھا۔ جب بندیالوی صاحب کی جماعتی جدوجہد پہ مخالفین نے ایک آدھ FIR کٹوائی تو مولانا بندیالوی صاحب نے مقتول کمشنر کی ٹیبل پہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفاع صحابہ تنظیم ختم کر دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ بلکہ اگلے جمعۃ المبارک کے خطاب میں باضابطہ اپنی مذکورہ تحریک کو جمعیت اشاعت التوحید میں ضم کرنے کا اقرار کرتے ہوئے ہتھیار پھینک دیے تھے۔ اور جناب بندیالوی صاحب گھوم گھما کے دوبارہ اپنے آبائی موضوع حیات و ممات پہ آگرے تھے۔

اب جبکہ اس موضوع پہ بھی جمعیت اشاعت التوحید فکری شکست و ریخت کے زخم چاٹ رہی ہے تو ان حضرات کی تان پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ پہ آکے ٹوٹ رہی ہے۔ کیونکہ اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ سماج کے تھکے ہارے لوگ اپنی جھیپیں مٹانے اور دلوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کے لئے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی ذات شریف پہ اعتراضات کرتے ہیں۔ واہ کیا جگر ہے نبی ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ ایسے ایسے طوفانوں میں بھی ان کی عظمت کے چراغوں کی لو بلند ہے۔ باقی جملہ خوبیاں ایک طرف، کیا یہ ان کی کم فتوحات ہیں؟ امید ہے کہ مولانا بندیالوی اس پہ غور و خوض کریں گے۔ والسلام

=÷

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلّہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

مسئلہ ترک رفع یدین

(حدیث ابن مسعودؓ کی سند پر اعتراضات کا جائزہ)

حدیث:

حدثنا هناد نا وكيع عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمۃ قال قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلیْ بِکمْ صلوۃ رسُوْل اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیْہِ وسلّم فصلی فلمْ یرْفعْ یدیْہِ الاّ فِیْ اوّل مرّۃٍ قال وفِی الْباب عنْ برا ءِ بْن عازبٍ قال ابُوْعِیْسی حدِیْثُ ابْنُ مسْعُوْدٍ حدِیْثٌ حسنٌ وبہ یقوْلُ غیْرُ واحِدٍ مِّنْ اصْحابِ النّبی صلّی اللّٰہُ علیْہِ وسلم والتابعِیْن وھُوقوْلُ سُفْیان واھْل الْکوْفۃِ۔

(سنن ترمذی:۱/۵۹،دوسرا نسخہ ۱/۳۵)

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھاؤں؟ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف پہلی مرتبہ رفع یدین کیا۔ فرمایا: اس باب (ترک رفع یدین) میں براء ابن عازب سے بھی مروی حدیث ہے۔ ابو عیسیٰ (امام ترمذی رحمہ اللہ) نے فرمایا: ابن مسعود کی حدیث حسن ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، تابعین میں سے بے شمار اہلِ علم یہی کہتے ہیں اور یہی قول سفیان اور اہلِ کوفہ کا ہے۔

اس حدیث کی سند کے رواۃ درج ذیل ہیں۔

ھناد۔

وکیع۔

سفیان۔

عاصم بن کلیب مسلم

عبد الرحمن بن اسود۔

علقمہ۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ان میں سے اکثر بخاری و مسلم کے راوی ہیں اور بعض صرف مسلم کے۔ حاصل یہ کہ اس سند کے سب راوی قابل اعتماد اور مستند ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں بلکہ اُن کا شمار اُن صحابہ کرام میں ہے جو شروع زمانہ اسلام میں مسلمان ہوئے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث: نسائی: ۱/۱۱۷... ۱۲۰، ابو داود: ۱/۱۰۹... مسند احمد: ۱/۳۸۸، ۴۴۲... مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۳۶... السنن الکبری للبیہقی: ۲/۷۸... شرح معانی الاثار للطحاوی: ۱/۱۵۴ وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔

حدیث ابن مسعود کی سند پر اعتراضات کا جائزہ

اس حدیث کی سند پر غیر مقلدین کے مختلف اعتراضات ان کی کتابوں میں نظر آئے۔ یہاں ہم اُن کے اعتراضات نقل کرکے اُن کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ خود غیر مقلدین کی کتابوں سے ہی ان اعتراضات کا بے حیثیت ہونا نقل کریں گے۔ وباللہ التوفیق

پہلا اعتراض: یہ حدیث عاصم بن کلیب کی وجہ سے ضعیف ہے

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

> "سند کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور وہ منفرد ہے۔ امام ابن المدینی نے کہا ہے کہ جب وہ منفرد ہو تو قابلِ احتجاج نہیں۔"
>
> (مقالاتِ اثری: ۲/۱۱۳)

مولانا داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

> "اسے بیان کرنے میں عاصم منفرد ہے اور امام علی بن مدینی کہتے ہیں کہ جب عاصم منفرد ہو تو حجت نہیں ہوتا۔"
>
> (حدیث اور اہلِ تقلید: ۱/۷۲۲)

جواب:

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

=÷=

”عاصم بن کلیب: صدوق رمی بالارجاء۔(تقریب التہذیب:۳۰۷۵) یہ صحیح مسلم کے راوی ہیں... معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے۔“

(نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام صفحہ ۱۴، مکتبہ اسلامیہ)

علی زئی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”عاصم بن کلیب اور ان کے والد کلیب دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔“

(علمی مقالات:۱/۴۲۵، مکتبہ اسلامیہ)

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد ”عاصم بن کلیب کا تعارف“ عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

”آپ بخاری تعلیقا، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ آپ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰) نے کہا:”کان ثقۃ یحتج بہ“ یہ ثقہ تھے، ان سے حجت لی جائے گی۔[الطبقات الکبریٰ ط دار صادر:۲۴۱/۶۶]۔☆امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:”عاصم بن کلیب ثقۃ مأمون“ عاصم بن کلیب ثقہ اور مامون ہیں۔[من کلام یحی بن معین فی الرجالص:۴۶]۔☆امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:”ثقۃ“ آپ ثقہ ہیں۔[العلل و معرفۃ الرجال للامام احمد روایۃ المروزی و صالح والمیمونی الفاروق ص ۱۶۴]۔☆امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:”ثقۃ“ آپ ثقہ ہیں۔[تاریخ الثقات للعجلی، ص:۲۴۲]۔☆امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے کہا:”ثقۃ“، آپ ثقہ ہیں۔[المعرفۃ و التاریخ:۹۵/۳]۔“

(انوار البدر صفحہ ۶۰)

سنابلی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”تنبیہ: ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۹۷) نے کہا:”قال ابن المدینی لایحتج بہ اذا انفرد“ ابن المدینی نے کہا: جب یہ منفرد ہوں تو ان سے حجت نہیں لی جائے گی۔“
[الضعفاء و المتروکین لابن الجوزی:۷۰/۲] ابن الجوزی کی اسی بات کو امام ذہبی اور

=÷=

ابن حجر رحمہا اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔[میزان الاعتدال للذہبی: ۳۵۶/۲، فتح الباری لابن حجر: ۴۵۷/۱]۔ عرض ہے کہ ابن الجوزی نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور نہ ہی کہیں پر اس قول کی کوئی سند موجود ہے بلکہ ابن الجوزی سے قبل کسی نے بھی ابن المدینی سے یہ بات نقل نہیں کی ہے۔ البتہ یعقوب بن شیبہ السدوسی (المتوفی: ۲۶۲ھ) نے کہا: "قال علی ابن المدینی: وعاصم بن کلیب صالح لیس ممن یسقط ولا ممن یحتج وهو وسط" علی بن المدینی نے کہا: عاصم بن کلیب صالح ہے یہ نہ تو ساقط لوگوں میں سے ہے، نہ ہی قابل حجت لوگوں میں سے بلکہ درمیانی درجے کا ہے۔[مسند عمر بن الخطاب لیعقوب من شیبة ص۹۴] امام ابن المدینی کے اس ثابت شدہ قول سے واضح ہو گیا کہ آپ عاصم کو علی الاطلاق ناقابلِ حجت نہیں مانتے کیوں کہ آپ اسے ساقط لوگوں میں سے بھی نہیں مانتے بلکہ درمیانی درجے کا راوی مانتے ہیں یعنی یہ راوی امام ابن المدینی کے نزدیک حسن الحدیث درجے کا ہے۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابن المدینی کا یہی قول نقل کیا ہے لیکن صحیح طور سے نقل نہ کر سکے اور بات کچھ سے کچھ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔ نیز دیگر ائمہ کی صریح توثیق کے مقابلہ میں اس طرح کی جرح کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے۔ نیز ابن المدینی سے پہلے فوت ہونے والے امام ابن سعد رحمہ اللہ نے کہا: یحتج به، یعنی ان سے حجت لی جائے گی، کمامضی۔ دیکھئے: ص ۶۰۔"

(انوار البدر صفحہ ۶۱)

قارئین کو ہم یہ بات بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ بہت سے غیر مقلدین ایسے ہیں جنہوں نے عاصم بن کلیب کی وجہ سے ترک رفع یدین کی حدیث کو ضعیف کہا مگر جہاں خود کو ضرورت پڑی وہاں عاصم بن کلیب کی روایت سے استدلال کر لیا۔

مولانا داود ارشد غیر مقلد نے اپنی کتاب "حدیث اور اہلِ تقلید" میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے حوالہ سے ابن خزیمہ سے حدیث وائل سے استدلال کیا جس کی سند میں عاصم بن کلیب ہے۔(حدیث اور اہلِ تقلید: ۴۱۸/۱)

اسی کتاب میں ترک رفع یدین کی حدیثوں کو ضعیف بتانے کے لیے عاصم بن کلیب پر جرح کر دی۔

(حدیث اور اہلِ تقلید: ۷۲۲/۲)

=÷=

دوسرا اعتراض: اس حدیث کو ابن مبارک نے غیر ثابت کہا ہے

سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق کہا کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

جواب:

سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی جرح کسی قولی حدیث پر ہے کیوں کہ ان کے الفاظ اس طرح ہیں:

"لم يثبت حديث ابن مسعود ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يرفع يديه الا فى اول مرة۔(ترمذی)

ابن مسعود کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوائے پہلی بار کے رفع یدین نہیں کیا، ثابت نہیں۔

اگر اس جرح کو فعلی حدیث پر مان لیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی دَور میں امام ابن مبارک رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہو گی کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ جب کہ بعد میں تحقیق بدل گئی اور انہوں نے نہ صرف اس کو ثابت تسلیم کیا بلکہ خود اسے روایت بھی کیا اور شاگردوں کو یہ حدیث پڑھائی ہے جیسا کہ نسائی کی سند میں خود ابن مبارک اس حدیث کے راوی ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابن مبارک کی جرح نقل کرنے کے باوجود حدیث کو حسن اور ایک نسخہ کے مطابق حسن صحیح کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس جرح کو اہمیت نہیں دی۔ اہمیت نہ دینے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جرح کسی قولی حدیث پر ہے، نہ کی فعلی پر۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا تھا۔

مولانا عطاء اللہ حنیف غیر مقلد نے حدیث ابن مسعود کے متعلق نقل کیا:

"ان الحديث ثابت ،بلاشبہ یہ حدیث ثابت ہے۔"

(التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی:۱/۱۲۳)

حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کہتے ہیں کہ اگر کوئی مصنف کسی کی عبارت نقل کر کے مخالفت نہ کرے تو یہ اس کے ساتھ موافقت کی دلیل ہوتی ہے۔(علمی مقالات:۶/۱۳۰)

=÷=

مزید یہ کہ غیر مقلدین کی گواہیاں موجود ہیں کہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ترک رفع یدین کی حدیث صحیح اور ثابت ہے جیسا کہ ہم اپنے ایک مضمون میں یہ حوالے نقل کر چکے ہیں۔ گویا غیر مقلدین بھی نہ صرف یہ کہ سیدنا عبد اللہ ابن مبارک کے قول لم یثبت کو اہمیت نہیں دے رہے۔ بلکہ اس قول کے برخلاف "یہ حدیث صحیح و ثابت ہے" کا اظہار کر رہے ہیں۔

تیسرا اعتراض: یہ حدیث تدلیس سفیان کی وجہ سے ضعیف ہے

اس حدیث کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہے اور مدلس جب عن سے حدیث بیان کرے تو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ یہ حدیث بھی سفیان نے عن سے بیان کی ہے۔

جواب:

غیر مقلدین کی قدیم کتابوں میں یہ اعتراض نہیں اُٹھایا گیا۔ میری معلومات کے مطابق سب سے پہلے اس اعتراض کو صاحب "التنکیل" شیخ عبد الرحمن معلمی نے کیا، پھر اسے حافظ زبیر علی زئی نے نور العینین وغیرہ کتابوں میں شہرت دینے پہ جُت گئے۔ مگر خود اُن کے اپنے غیر مقلدین نے اس اعتراض کو فضول قرار دے کر جھٹک دیا اور اسے جھٹکنے والوں میں علی زئی صاحب کے اساتذہ بھی شامل ہیں۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حافظ زبیر علی زئی کے استاذ محترم مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد "مدلسین کے طبقات" عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

> "حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں ان کے پانچ مراتب بیان کئے ہیں؛ (۱) جس سے بہت کم تدلیس ثابت ہو جیسے یحیٰ بن سعید انصاری ہیں۔ (۲) جس کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے برداشت کیا ہو اور اپنی صحیح میں اس سے روایت بیان کی ہو کیوں کہ اس کی تدلیس اس کی مرویات کے مقابلہ میں کم ہے۔ اور وہ فی نفسہ امام ہے جیسے ثوری یا وہ ثقہ سے ہی تدلیس کرتا ہے جیسے کہ ابن عیینہ ہے۔"
>
> (خیر الکلام صفحہ ۴۷)

گوندلوی صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

=÷=

”سفیان دوسرے طبقہ کا مدلس ہے۔ طبقات المدلسین ص۹۔ دوسرے طبقہ کے مدلسین کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے ائمہ حدیث نے ان کی تدلیس برداشت کی ہے اور ان کی حدیث صحیح سمجھی ہے کیوں کہ یہ لوگ امام تھے اور تدلیس کم کرتے تھے جیسے امام ثوری ہیں یا صرف ثقہ سے تدلیس کرتے تھے جیسے ابن عیینہ ہیں۔“

(خیر الکلام صفحہ ۲۱۴)

علی زئی صاحب نے گوندلوی صاحب کی یوں مدح سرائی کی:

”شیخ الاسلام ، حجۃ الاسلام ، شیخ القرآن و الحدیث، الامام، الثقة، المتقن، الحجہ، المحدث،الفقیہ، الاصولی، محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ“

(فاتحہ خلف الامام صفحہ ۱۱)

علی زئی کے استاذ شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد نے سفیان ثوری کے عنعنہ کے متعلق لکھا:

”سوال: سفیان مدلس ہے اور روایت عن سے کرتا ہے۔ جواب: اوّلاً: اس کی عنعن بوجہ مرتبہ ثانیہ ہونے کے معتبر ہےقال ابن حجر فی طبقات المدلسین، ص:۲۔“

(نشاط العبد بجھر ربنا لك الحمد مندرج مقالاتِ راشدیہ: ۲/۱۹۳)

دوسری جگہ سفیان کے عنعنہ کی بابت لکھا:

”ائمہ نے اگرچہ ان کی عنعنہ کو لے لیا ہے مگر...“

(مقالاتِ راشدیہ: ۵/۱۷۶)

شیخ بدیع الدین اپنے خطبات میں سفیان کی معنعن روایت کی بابت کہتے ہیں:

”اس کی سند بالکل صحیح ہے اور اگر کوئی کہے کہ اس کی سند میں سفیان ثوری واقع ہیں اور وہ مدلس ہیں تو اس کا جواب دو طرح سے ہے: اولا: یہ کہ سفیان ثوری طبقہ اولیٰ کے مدلسین میں سے ہیں اور بقاعدہ محدثین ان کی تدلیس مقبول ہو گی چاہے سماع کی تصریح نہ بھی کریں ملاحظہ ہو طبقات المدلسین لابن حجر۔“

(خطباتِ راشدیہ: ۱/۲۶)

=÷=

شیخ بدیع الدین نے سفیان کی عنعنہ والی روایت کے متعلق لکھا:

"یہ حدیث بالکل صحیح اور سالم ہے۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۲/۹۷)

شیخ بدیع الدین کے متعلق علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر مجھے رکن و مقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے ...... شیخ بدیع الدین شاہ سے زیادہ عالم وفقیہ کوئی انسان نہیں دیکھا۔"

(علمی مقالات: ۱/۵۰۵)

علی زئی کے استاذ مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں دوسرے مرتبہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں: من احتمل الائمۃ تدلیسہ واخرجوا لہ فی الصحیح لامامتہ وقلۃ تدلیسہ فی جنب ما روی کالثوری، دوسرا مرتبہ وہ ہے جن کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے برداشت کیا ہے اور اپنی صحاح میں ان کی روایات نکالی ہیں ان کی امامت اور قلت تدلیس کی وجہ سے جیسا کہ امام ثوری۔" پھر آگے جا کر حافظ صاحب نے دوسرے مرتبہ کے مدلسین کے نام گنوائے ہیں وہاں بھی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے متعلق امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں: ما اقل تدلیسہ ، امام ثوری کی تدلیس کتنی قلیل ہے۔" جب ائمہ فن کی تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ امام ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس بہت قلیل و نادر ہے اور وہ اس تدلیس قلیل کے باوصف حجۃ و ثبت ہیں اور محدثین کے مابین متفق علیہ ہے اور محدثین نے ان کی احادیث کی اپنی صحاح میں تخریج کی ہے۔ تو آپ ڈاکٹر [ابو جابر عبد اللہ دامانوی غیر مقلد (ناقل)] صاحب کی یہ علت کوئی وزن نہیں رکھتی۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۰۲)

مولانا محب اللہ شاہ راشدی نے سفیان کی تدلیس کے مضر نہ ہونے پر علی زئی کی تردید میں ایک مفصل مضمون "تسکین القلب المشوش باعطاء التحقیق فی تدلیس الثوری والاعمش" عنوان سے

=÷=

لکھا۔اس کے تعارف میں غیر مقلدین کے لکھاری الازہری لکھتے ہیں:

”جماعت کے معروف محقق محترم جناب زبیر علی زئی صاحب حفظہ اللہ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مضمون ”ایضاح المرام واستیفاء الکلام، علی تضعیف حدیث النهی عن الانتعال فی حالۃ القیام“ پر تنقید فرمائی... تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کے رَد میں ایک مقالہ بنام ”تسکین القلب المشوش باعطاء التحقیق فی تدلیس الثوری والاعمش“ تحریر فرمایا اور جہاں جہاں محترم زبیر علی زئی صاحب نے اختلاف کیا، آپ نے ان کا علمی تعاقب فرمایا اور ثابت کیا کہ یہاں الاعمش اور امام ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس مضر نہیں ہے۔“

(مقالاتِ راشدیہ:۱/۳۰۴)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے متعلق تو بلاشبہ میں نے لکھا ہے کہ چوں کہ یہ طبقات المدلسین مؤلف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ میں یہ مرتبہ ثانیہ میں مذکور ہے۔ لہٰذا اس کا عنعنہ مقبول ہے۔“

(مقالاتِ راشدیہ:۱/۳۰۵)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”ہم یہ بھی کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ امام ثوری رحمہ اللہ کو مرتبہ ثانیہ میں اور قتادہ ثالثہ میں شامل کرنے میں بھی امام حاکم رحمہ اللہ سے بطریق اولیٰ غلطی ہو گئی ہے۔“

(مقالاتِ راشدیہ:۱/۳۰۸)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

”لیجئے صاحب! امام ابن معین بھی امام ثوری کی احادیث کو محتج بہ قرار دیتے ہیں گو وہ ثقہ سے تدلیس ہو یا غیر ثقہ سے۔ کیوں کہ ”یدلس“ عام لفظ ہے اور امام موصوف کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ امام ثوریؒ مدلسین کے مرتبہ ثانیہ میں داخل ہیں، یعنی جن کی عنعنہ

=÷=

روایات بھی، ان کی امامت و جلالت اور قلت تدلیس کی وجہ سے مقبول ہیں۔ اب یہ موقف صرف حافظ ابن حجر۔ یا علائی اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہم کا نہ رہا بلکہ ان کے ساتھ امام ابن معین جیسے جرح و تعدیل کے امام بھی شامل ہیں لیکن آں محترم دوست نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے امام ابن معینؒ کے ہم پلہ کسی امام کا نام نہیں لیا۔ فللہ الحمد والمنۃ"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۱۷)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"لب لباب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو امام ثوری رحمہ اللہ وغیرہ جیسے ائمہ کو جو دوسرے مرتبہ میں داخل کیا ہے اس کی بنا امام المحدثین بخاری کی مذکورہ عبارت پر ہے، یعنی امام ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری کی تدلیس بالکل کم ہے اور جس امام کی تدلیس بہت کم ہو، اس کی روایات ائمہ حدیث تدلیس کے باوجود قبول کرتے آئے ہیں۔ نوٹ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ عبارت "طبقات المدلسین" میں ہے۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۲۶)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"جب ائمہ حدیث نے امام ثوری کی معنعنہ روایات قبول کی ہیں تو آپ کو کیسے حق حاصل ہوتا ہے کہ ان سب ائمہ کے خلاف امام ثوری کی معنعنہ روایات کو مردود قرار دیں؟"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۰۴)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں امام ثوری رحمہ اللہ کے واسطہ سے کئی روایات ملتی ہیں جن کے بارے میں ان کے ائمہ مصنفین کا یہی ارشاد ہے کہ وہ صحیح یا حسنہ ہیں۔ مثلاً امام ترمذی رحمہ اللہ کی "الجامع" اور ابتداء سے لے کر عصر حاضر تک کے شراح نے ان ائمہ کی تصریح کو بحال رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ مبارک پوری کی کتاب "تحفۃ الاحوذی" اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی کتب ابوداود کی شرحیں اور دارقطنی پر تعلیق وغیرھا من

الکتب۔ لیکن محترم [علی زئی (ناقل)] کے موقف کی بناء پر ایسی بہت سی روایات ضعیف ٹھہریں گی۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۳۲۸/۱)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"اگر [علی زئی کے (ناقل)] اس موقف کو سامنے رکھ کر ہم دواوین حدیث کو تلاش کرنا شروع کردیں تو بہت سی روایات جن کو سلف سے لے کر خلف تک صحیح و متصل قرار دیتے آتے ہیں ان میں سے اچھی خاصی تعداد ضعیفہ بن جائے گی۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۳۰۴/۱)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"جی حضرت! آپ ذرا تدبر سے کام لیں۔ امام ثوری کو مرتبہ ثانیہ میں داخل کرنے پر حافظ ذہبی، ابن حجر اور علائی متفق ہیں اور ان کا یہ موقف دلائل پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنی رائے نہیں پیش فرمائی بلکہ ائمہ حدیث سے یہ اتفاق نقل فرمایا کہ انہوں نے امام ثوری کی تدلیس کو محتمل سمجھا ہے اور ان کو قبول کیا ہے، آپ امام ابن معین کا اختلاف پیش نہیں کرسکتے۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۳۲۹/۱)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"امام ثوری رحمہ اللہ ان ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے۔ جن کے صحاح وضعاف روایات کے امتیاز کا ان کو ذوق و ملکہ حاصل تھا۔ کما قال الذھبی فی المیزان جیسا جرح و تعدیل وغیرہ میں منقول ہے کہ ثوری سے پوچھا گیا کہ آپ جابر جعفی سے روایت کیوں کرتے ہیں، تو فرمایا میں ان کی صحیح حدیث و ضعیف میں امتیاز کرسکتا ہوں۔ امام شعبہ وغیرہ دوسرے ائمہ حدیث ضعاف سے روایات کرتے تھے تاکہ ان کا حال اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ امام ثوری کی ان ضعاف سے تدلیس کی ایک وجہ معقول یہ بھی ہے کہ اس ضعیف راوی سے جو روایت انہوں نے لی وہ ہے تو صحیح، یعنی اس کا متن کسی دوسرے طریق سے صحیح طور پر وارد ہے لیکن انسان پر بسا

اوقات نسیان طاری ہو جاتا ہے یا اس سے فی الوقت ذہول ہو جاتا ہے اور اس حدیث کو اس وقت بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے لہذا وہ اس ضعیف راوی سے ہی یہ صحیح المتن روایت لے آتا ہے اور چوں کہ اس راوی ضعیف کے نام لینے سے یہ صحیح المتن روایت بھی شاید مسترد کر دی جائے۔ اس خدشہ سے وہ ان کا نام نہیں لیتا اور تدلیس کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ انہیں یقین تھا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ بہر حال ان حفاظ کے اس موقف (ثوری کو مرتبہ ثانیہ میں داخل کرنا) پر تدبر سے کام لیا جائے تو اور بھی دلائل مل سکیں گے لہذا ان کا موقف صحیح ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۲۹)

محب اللہ صاحب "حافظ ذہبی اور حافظ علائی" کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ دونوں حافظان، امام ثوری رحمہ اللہ کی معنعن روایات کے مقبول ہونے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ہم نوا ہیں۔ اور اسی وجہ سے علائی نے بھی انہیں مرتبہ ثانیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان تینوں حفاظ کی پشت پر متقدمین ائمہ حدیث بھی ہیں۔ امام ابن معین رحمہ اللہ جو مطلق مدلسین کی روایات جو مصرحہ بالسماع نہ ہوں حجت نہیں سمجھتے، انہوں نے بھی امام ثوری رحمہ اللہ کو مستثنیٰ کرایا (ان کا قول گزر چکا) میری بات کو اگر آپ عمومی رنگ دینا ہی چاہتے ہیں تو آپ بھی ان تینوں حفاظ: ذہبی، علائی، عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم کے متفقہ فیصلہ کے خلاف متقدمین ائمہ حدیث سے ایسی تصریحات پیش فرمائیں جن سے بالوضاحت معلوم ہو جائے کہ وہ خصوصیت سے امام ثوری کی معنعن روایات کو مسترد کر دیتے تھے والا فلا بالجملہ آپ کے پاس کوئی ٹھوس دلیل ہے ہی نہیں جن کی بناء پر امام ثوری رحمہ اللہ کی معنعنہ روایات کو مسترد کر دیا جائے۔ آپ نے صرف بعض ائمہ حدیث کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ معنعنہ روایت صرف اس کی مقبول ہو گی جو ثقہ سے تدلیس کرتا ہو لیکن یہ دلیل بچند وجوہ مخدوش ہے۔ (تفصیل گذر چکی ہے) بایں ہمہ ہر کیلئے یا اصول سے کچھ مستثنیات بھی ہوتے ہیں اور ہم نے امام ثوری کے مستثنیٰ ہونے پر دلائل پیش کر دیے اور آپ کا موقف بے دلیل ہی رہا۔ امام ثوری کے

متعلق بحث کا اختتام ہو رہا ہے لہذا میں اپنے محترم دوست [علی زئی (ناقل)] کو یہ گذارش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ آپ جیسے اہلِ علم کو یہ قطعی زیب نہیں دیتا کہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے رہیں۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۳۰)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"امام ثوری رحمہ اللہ متفقہ طور پر ثقہ، حجت، متقن امام اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ اس جلالت وامامت کے ساتھ اقل التدلیس ہیں اور ائمہ حدیث نے ان کی غیر مصرح بالسماع روایات کو بھی محتمل قرار دیا ہے اور ان میں سے کسی نے بھی امام ثوری رحمہ اللہ کا نام لے کر یہ نہیں فرمایا کہ ان کی غیر مصرح بالسماع روایات مقبول نہیں۔ اَب ایسے امامت کی اعلیٰ سطح پر فائز شخصیت کو آپ نیچے گرا کر ایسی سطح پر لا کھڑا کریں کہ اس میں اور بقیہ بن الولید جیسے ضعفاء (مجاہیل اور کذابین سے تدلیس کرنے والوں، تدلیس التسویۃ کا ارتکاب بھی کرتے ہوں، صدوق سے اوپر ان کا درجہ بھی نہ ہو) میں کوئی فرق نہ کریں کیوں کہ بقیہ بھی جب تصریح سماع کرے تو اس کی روایات بھی مقبول ہوتی ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ واقعتاً ثوری رحمہ اللہ اور بقیہ ایک ہی سطح پر ہیں اور ان دونوں کا ایک ہی مقام ہے... لہذا میری گذارش یہ ہے کہ محترم اپنے موجودہ موقف پر تدبر و قائل سے نظر ثانی فرما کر اس سے رجوع فرمالیں۔"

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۳۱)

محب اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"محترم [علی زئی (ناقل)] نے بلا تدبر محض عجلت پسندی میں امام ثوری اور اعمش رحمہا اللہ کی سب معنعنہ روایات کو ضعیف قرار دے دیا، حالاں کہ تحقیق اس کے خلاف تھی۔ اگر محترم کا موقف اختیار کیا جائے تو صحیحین کے سوا اور سب روایات جو حدیث کے دوسرے دواوین ہیں اور جن کی تصحیح ائمہ حدیث کرتے آئے ہیں وہ سب کی سب بلا استثناء (امام ثوری و اعمش کی وجہ سے) ضعیف قرار پائے گی اور اس طرح حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ ضعیف قرار پا کر

سر دخانے میں رکھ دیئے جانے کے ہی قابل بنتا۔وھذا کما تری اور اس پر طرہ یہ کہ آپ نے اپنے موقف کے اثبات میں ایسے دلائل کا سہارا لیا جو آپ کی علمی شان سے بمراحل بعید تھے۔بس یہی بات تھی جس نے اس موضوع پر مجھے قلم اُٹھانے پر آمادہ کیا۔اور الحمدللہ ثم الحمد للہ میں نے اس کا جواب تحریر کرکے پورا کر دیا۔اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل سے میں اس پر مطمئن بھی ہوں۔"

(مقالاتِ راشدیہ:۱/۳۳۱)

یہ مضمون علی زئی کی زندگی میں شائع ہو گیا تھا اور اُن کے مطالعہ میں بھی آیا جیسا کہ خود انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔(علمی مقالات:۱/۴۹۸)

مولانا محب اللہ شاہ صاحب کے متعلق علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"اگر مجھے رکن و مقام کے درمیان کھڑا کر کے قسم دی جائے تو یہی کہوں گا کہ میں نے شیخنا محب اللہ شاہ سے زیادہ نیک، زاہد اور افضل، اور شیخ بدیع الدین شاہ سے زیادہ عالم و فقیہ کوئی انسان نہیں دیکھا رحمہا اللہ۔"

(علمی مقالات:۱/۵۰۵)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہؒ بواسطہ سفیان ثوری عن الصلت بن الربعی اور وہ سعیدؒ بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اذ لم سمعک الامام فاقرأ(مصنف: ص۱۳۲ج۲، ابن ابی شیبہ:ص۱۴۹ج۲)...اس کی سند بھی صحیح ہے۔"

(توضیح الکلام صفحہ ۴۸۶)

اس عبارت میں اثری صاحب نے سفیان ثوری کی عن والی سند کو "صحیح" تسلیم کیا ہے۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"سفیان ثوری رحمہ اللہ قلیل التدلیس یعنی بہت کم تدلیس کرنے والے ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ما اقل تدلیسہ قلیل التدلیس یعنی سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس

بہت ہی کم ہے۔ (العلل الکبیر للترمذی ص ۳۸۸) حافظ ابن حجر نے بھی یہی بات کہی ہے دیکھئے ص ۸۹۔ لہذا ان کا عنعنہ مقبول ہے یہی وجہ ہے کہ سفیان ثوری کی احادیث کو ائمہ نقد جب ضعیف کہتے ہیں تو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ کو علت نہیں بناتے ہیں بلکہ دیگر علل کی بنیاد پر تضعیف کرتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابو داود وغیرہ میں سفیان ثوری ہی کے طریق سے ایک روایت آئی جس سے احناف ترک رفع الیدین پر استدلال کرتے ہیں یہ روایت اس لئے ضعیف ہے کیوں کہ محدثین نے اس پر جرح مفسر کر رکھی ہے۔ اس میں سفیان ثوری کا عنعنہ بھی ہے لیکن اس حدیث کی تضعیف کے لئے اسے بنیادی علت قرار دینا درست نہیں ہے۔ غور کرنے کی بات ہے محدثین کی ایک بڑی جماعت نے عدم رفع الیدین والی اس حدیث کو ضعیف تو قرار دیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ نہیں بتائی ہے کہ اس میں سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔ محدثین کی ایک کثیر تعداد کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا اس کے باوجود بھی سفیان ثوری کے عنعنہ سے تعرض نہ کرنا یہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ سفیان ثوری کا عنعنہ محدثین کے نزدیک مضر نہیں ہے کیوں کہ وہ قلیل التدلیس ہیں۔"

(انوار البدر صفحہ ۱۴۹، ناشر اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی)

مولانا خبیب اثری غیر مقلد نے مسئلہ تدلیس کے حوالہ سے علی زئی کے خلاف مفصل مضمون تحریر کیا۔ اس مضمون کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

خبیب صاحب لکھتے ہیں:

"ثوری قلیل التدلیس ہیں، لہذا ان کا عنعنہ سماع پر محمول کرتے ہوئے قبول کیا جائے گا۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۲۲۲)

خبیب صاحب نے "مقدمہ اکمال المعلم للقاضی عیاض صفحہ ۳۴۸" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جن جن روایات میں ابن عیینہ اور ثوری وغیرہ اور اُن کے مدلسین نے تدلیس کی ہے جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔ محدثین کو اس بارے میں شک نہیں (انہیں تدلیس شدہ

روایات کا بخوبی علم ہے) جمہور اس (مدلس کی معنعن روایت) کو قبول کرتے ہیں، جن کے بارے میں معروف ہے کہ وہ صرف ثقہ سے روایت (تدلیس) کرتا ہے۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۲۷۰)

خبیب صاحب لکھتے ہیں:

"گزشتہ صفحات میں امام بخاری رحمہ اللہ کا سفیان ثوری کے متعلق یہ قول "ما اقل تدلیسہ؟" ان کی تدلیس کتنی تھوڑی ہے۔" گزر چکا ہے جو نص قاطع ہے کہ اہلِ اصطلاح تدلیس کی قلت و کثرت کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر وہ سبھی مدلسین کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں تو امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ صراحت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ نہایت کم تدلیس کرتے ہیں؟ اس حوالے سے راقم الحروف نے اپنے سابقہ مضمون میں تقریباً پونے دو صفحات پر مشتمل بحث لکھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا امام بخاری رحمہ اللہ اہلِ اصطلاح نہیں؟ کیا امام بخاری رحمہ اللہ، امام ابن المدینی رحمہ اللہ، یحیٰ بن معین رحمہ اللہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دیگر کبار ائمہ کی اصطلاحات سے ناواقف تھے؟ کیا ان سبھی محدثین کا موقف یکساں نہ تھا؟۔"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۳۰۳)

غیر مقلدین کی دوغلہ پالیسی

غیر مقلدین سینے پر ہاتھ باندھنے کے حوالہ سے ابن خزیمہ سے جو روایت پیش کرتے ہیں اس کی سند میں بھی سفیان ثوری کا عنعنہ موجود ہے پھر بھی غیر مقلدین اس حدیث سے نہ صرف استدلال کیا کرتے ہیں بلکہ انہیں اس کے صحیح ہونے کا دعویٰ بھی ہے۔ حوالہ جات دیکھئے:

(شرح مشکوۃ اردو: ا/۳۵۲ ۳۵۳ مولانا محمد صادق خلیل)

(رسائل ثنائیہ صفحہ ۵۷ مولانا ثناء اللہ امر تسری)

(جنازے کے مسائل صفحہ ۷۸، دار الدعوۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور)

مولانا داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"صحیح حدیث میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی

اللہ عنہ بیان کرتے ہیں...“

(تحفہ حنفیہ صفحہ ۱۲۲)

مولانا ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صحیح حدیث میں آیا ہے کہ عن وائل بن حجر....“

(اہلِ حدیث کا مذہب صفحہ ۸۱)

ابن خزیمہ میں مذکور سینے پر ہاتھ باندھنے والی سفیان ثوری کی معنعن روایت ہے جو مؤمل بن اسماعیل کی وجہ سے ضعیف ہے، کئی غیر مقلدین نے مؤمل مذکور کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ بندہ نے اپنی کتاب ”زبیر علی زئی کا تعاقب“ میں حوالہ جات جمع کر دیئے ہیں۔

ابن خزیمہ کی سفیان کے عن والی اس روایت کے متعلق مولانا محمود احمد میرپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں ان سب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذِکر ہے۔“

(فتاویٰ صراط مستقیم صفحہ ۱۷۴، مکتبہ قدوسیہ لاہور، اشاعت ۲۰۱۰ء)

حافظ محمد اسلم حنیف (جامعہ محمدیہ اہلِ حدیث لیاقت پور) لکھتے ہیں:

”سینے پر ہاتھ باندھنے کی سب سے زیادہ صحیح روایت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ہے... صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۴۳“

(نماز جنازہ کے احکام و مسائل صفحہ ۷۰، ناشر جامعہ محمدیہ اہلِ حدیث لیاقت پور ضلع رحیم یار خاں)

اسلم حنیف اور میرپوری کی تصریح کے مطابق سینے پر ہاتھ باندھنے کی بابت سب سے زیادہ صحیح حدیث سفیان ثوری کے عن والی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب انہیں اختصار مطلوب ہو تو اسی روایت کے ذِکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ چنانچہ فاروق اصغر صارم غیر مقلد لکھتے ہیں:

”جگہ کی کمی کی وجہ سے صرف ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔“

(اہلِ تقلید کی طرف سے سوالات اور اہلِ حدیث کی طرف سے اُن کے جوابات صفحہ ۲، ادارہ احیاء التحقیق الاسلامی گوجرانوالہ)

=÷=

پھر صارم صاحب نے ابن خزیمہ سے حدیث وائل لکھی، جس کی سند میں سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔ گویا غیر مقلدین کے پاس سینے پر ہاتھ باندھنے کے حوالہ سے بقول اسلم حنیف اور میرپوری سب سے زیادہ صحیح روایت سفیان ثوری کی تدلیس والی ہے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ سفیان ثوری کی عن والی روایت اُن کا مستدل ہو تو اسے سب سے زیادہ صحیح باور کراتے ہیں اور جب یہ اہلِ سنت احناف کے دلائل میں آئے تو ضعیف اور قابلِ رد بن جاتی ہے۔ وکیل ولی قاضی غیر مقلد (رکن شوریٰ جمعیت اہلِ حدیث حیدر آباد) نے غیر مقلدین کے اس طرز عمل کو دوغلہ پالیسی قرار دے کر کہا کہ اس دورخے منہج کی وجہ سے اہلِ حدیث کو خفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے غیر مقلد علماء سے کی گئی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”کئی علماء سے بالمشافہ بات چیت ہوئی اور مشہور مسائل تدلیس اور مروجہ حسن لغیرہ کی حجیت و عدم حجیت پر بات ہوئی تو اُن علماء کے پاس اطمینان بخش جواب نہیں تھا۔ کہیں کثرت طرق کی بنا پر کسی روایت کو حسن منوانے کی کوشش کی جاتی اور جب ہم فضیلت پندرہ شعبان جیسی روایت جو کثیر الطرق ہوتی پیش کرتے تو اُس کی ایک ایک سند کو ضعیف ثابت کرکے رد کر دیا جاتا۔ کہیں صحیح ابن خزیمہ کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی سینے پر ہاتھ والی روایت کو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ کے باوجود صحیح باور کروایا جاتا اور مخالفت میں جامع ترمذی کی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین والی روایت کو سفیان ثوری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے رد کر دیا جاتا۔ یہ ہے وہ دورُخا منہج جس سے ہمیشہ دعوتی میدان میں اہلِ حدیث کو خفت کا سامنا کرنا پڑا۔“
>
> (اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیادِ زبیر علی زئی صفحہ ۵۵۳)

غیر مقلدین کی دورخی پر مذکورہ عبارت پڑھنے کے بعد ایک اور عبارت بھی پڑھیں اس دورخی میں بھی ترک رفع یدین پر ضعف کی چھاپ کا تذکرہ ہے۔

حافظ شبیر احمد جمالی غیر مقلد (مدرس نواب شاہ سندھ) لکھتے ہیں:

> ”مروجہ حسن لغیرہ کی حجیت کے دعوے دار اپنے اصولوں کے تحت ان روایات کو حسن لغیرہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ ان کے اصول پر ان روایات کا ضعف خفیف ہے نہ کہ

=÷=

شدید۔ عدم رفع االیدین کی روایات۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین کی روایت (سنن ابی داود: ۷۴۸، سنن ترمذی: ۲۵۷، السنن الکبری للبیہقی ۲/۱۸۵، دار الحدیث قاہرہ) ضعف: سفیان ثوری کی تدلیس (جو کہ ضعف خفیف ہے نہ کہ شدید) براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی عدم رفع الیدین کی روایت (سنن ابی داود: ۷۴۹) ضعف: یزید بن ابی زیادہ کا ضعیف ہونا، یہ بھی ضعف خفیف ہے، کیوں کہ یزید تو غیر اصول میں صحیح مسلم کا راوی ہے۔ (میزان الاعتدال ۴/۲۸۸، دار الفکر) آلِ تقلید کی طرف سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پیش کی جانے والی رایت (السنن الکبری للبیہقی: ۵/۱۹۷، ۱۹۸) ضعف: ایک سند میں ابن جریج کا عنعنہ دوسری سند میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کا ضعیف ہونا۔ یہ ضعف بھی خفیف ہے نہ کہ شدید ۔کیوں کہ ابن جریج تو امت کے ایک ثقہ فقیہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۴۰۸) ابن ابی لیلیٰ پر بھی خفیف جرح ہے۔ بیہقی کہتے ہیں: "غیر قوی فی الحدیث" حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "صدوق سیء الحفظ" (السنن الکبری للبیہقی ۵/۱۶۸، تقریب التہذیب: ۵۸۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے واقفیت رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ جرح خفیف ہے نہ کہ شدید۔ اسی طرح عدم رفع الیدین کی کئی ضعیف روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ معلوم نہیں کہ ضعیف خفیف + ضعیف خفیف= صحیح یا 1\2+1\2=1 کا نعرہ لگانے والے اپنا یہ اصول ادھر کیوں بھول جاتے ہیں ؟؟ دھڑلے سے کہتے ہیں کہ عدم رفع الیدین کی تمام روایات مردود ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایسا نہ کہیں بلکہ اصول کی پاس داری کریں ضعیف + ضعیف= حسن کہہ کر صحیحین وغیرہ کی روایات سے تطبیق دینے کے لیے کوئی دوسرا اصول وضع کر ڈالیں۔ شعبان کی لیلۃ البصف کے فضائل کی روایات شیخ [زبیر علی زئی (ناقل)] نے مثال بھی ارشاد فرمائی کہ یہ روایت بھی کافی طرق سے منقول ہیں، بلکہ علامہ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۳۷) نے تو ایک مکمل کتاب بھی لکھ رکھی ہے۔ جو بنام "لیلۃ النصف من شعبان" مکتبہ مؤسسہ قرطبہ سے مطبوع ہے۔ اس میں بھی کافی روایات علامہ ابن دحیہ نے نقل کی ہیں۔ یہ سارے ضعیف خفیف کے حامل طرق یقوی بعضھا بعضا" کے گن گانے والوں کے نزدیک حسن لغیرہ بھلا

کیوں نہیں بن جاتے؟... یہاں یہ الگ بات ہے کہ مفاد کی حد تک اس اصول پر چلا جائے جب مفادات پر زد پڑے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔"

(اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیادِ زبیر علی زئی صفحہ ۲۱۱،۲۱۲)

چوتھا اعتراض: سیدنا عبد اللہ ابن مسعود سے بھول و خطاء ہو گئی

مولانا محمد جوناگڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"سنو! حضرت عبد اللہؓ نے یہاں بھول اور نسیان سے کام لیا ہے، جس طرح اور بھی بعض مسائل میں آپ سے سہو و نسیان ثابت ہے۔"

(دلائل محمدی صفحہ ۸۷)

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"یہ سوچنا چاہیے کہ ممکن ہے عدم رفع کا راوی کسی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع الیدین کرتے دیکھ ہی نہ سکا ہو یا اس کو نسیان تو نہیں ہوا وہ بھول ہی گیا ہو۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز صفحہ ۵۶)

مولانا عبد المتین میمن جوناگڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جب عبد اللہ بن مسعودؓ نماز میں ان باتوں کو بھول گئے تو پھر رفع یدین کا بھول جانا کیوں نہیں ہو سکتا؟"

(حدیثِ نماز صفحہ ۱۲۶)

مولانا بدیع الدین راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نماز وغیرہ میں اس طرح کی بھول ہو سکتی ہے تو رفع الیدین کے بارے میں کیوں نہیں ہو سکتی؟"

(فتاویٰ راشدیہ: ۲۵۹/۵)

جواب:

آلِ غیر مقلدیت نے جو بار بار سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف حدیثوں کے بُھلا دینے کی

=÷=

نسبت کی ہے اس پر ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے ان کے طبقہ میں "حافظ" کی شہرت پانے والے جناب شیر محمد کا تبصرہ نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں انہوں نے لکھا:

"نام نہاد جماعت المسلمین رجسٹرڈ (فرقہ مسعودیہ) کے امیر دوم محمد اشتیاق نے بغیر کسی شرم کے لکھا ہے کہ "اور ویسے بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حافظہ میں بھول واقع ہو گئی تھی جس کی وجہ سے یہ مسئلہ اور بھی بے حقیقت ہو جاتا ہے" (نماز کے سلسلہ میں یوسف لدھیانوی صاحب کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۲۸) اشتیاق کی یہ جرح بالکل باطل اور مردود ہے"

(ماہنا الحدیث: شمارہ نمبر ۳۸ صفحہ ۶۴)

یہ تحریر ماہ نامہ "الحدیث" کی ہے۔ اس کے مدیر حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ہمارے اس رسالے میں راقم الحروف اور حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ کا متفق ہونا ضروری ہے۔"

(مقالات الحدیث صفحہ ۱۱)

چوں کہ شیر محمد صاحب کی مذکورہ بالا تحریر پر زبیر علی زئی اور ندیم ظہیر کو بھی اتفاق ہے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ ان تینوں کے نزدیک سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف بھول کو منسوب کرنا بے شرمی کا کام ہے، یہ جرح ہے اور باطل و مردود قسم کی جرح ہے۔

یہاں ہمارا اِک سوال ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف بھول کی نسبت کرنے پر آپ نے نام نہاد جماعۃ المسلمین کے امیر اشتیاق صاحب کو بے شرم اور صحابی پر باطل و مردود جرح کرنے والا قرار دیا ہے جب کہ آپ کے آلِ غیر مقلدیت نے بھی تو سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف بھول کو منسوب کیا ہے، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

پانچواں اعتراض: معوذتین کے انکار کی طرح ترک رفع یدین بیان کرنا بھی غلط ہے

مولانا عبد المتین میمن جونا گڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"رفع یدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... سے صحیح طور پر ثابت ہے اور عبد اللہ

=÷=

بن مسعودؓ کا اس کو بھول جانا کچھ تعجب نہیں کیوں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ قرآن میں معوذ تین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا ہونا بھول گئے تھے جس پر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔"

(حدیثِ نماز صفحہ ۱۲۶)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر اس طرح کا اعتراض دوسرے غیر مقلدین نے بھی کر رکھا ہے۔

جواب:

(۱) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

"قال النوی وفی هذا الحدیث دلیل واضح علی کونها من القرآن ورد علی من نسب الی ابن مسعود خلاف ذالک قال فی المفتاح وما نسب الی ابن مسعود لا یصح بل تواتر عنہ عندنا انهما من القرآن ولا یتم ختم القرآن الا بهما و صحت الاحادیث بذالک من طرق وانعقد اجماع المسلمین علی ذلک۔"

(نزل الابرار صفحہ ۱۴۴)

ترجمہ: نووی نے کہا: اور اس حدیث میں واضح دلیل ہے اس پر کہ وہ (معوذ تین) قرآن میں سے ہیں اور اس کی تردید ہے جس نے ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا۔ اس (نووی) نے مفتاح میں کہا جو بات انکار معوذ تین کی ابن مسعود کی طرف منسوب کی جاتی ہے، صحیح نہیں بلکہ ہمارے نزدیک اُن سے تواتراً ثابت ہے کہ وہ دونوں قرآن میں سے ہیں اُن کے بغیر قرآن ختم ہی نہیں ہوتا اور یہ حدیثیں کئی طرق سے صحیح ثابت ہو چکیں اور معوذ تین کے قرآن ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں:

"وقد اخرج الطبرانی فی الاوسط باسناد رجال ثقات من حدیث ابن مسعود مرفوعا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلهن المعوذتین۔"

(نزل الابرار صفحہ ۱۴۴)

=÷=

ترجمہ: امام طبرانی نے اپنے کتاب "الاوسط" میں حدیث کا اخراج کیا جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن مسعود فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر قرآن کی چند ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی نازل نہیں ہوئیں، وہ معوذتین ہیں۔

تنبیہ: "نزل الابرار" کے حوالے حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ کی کتاب "نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح" جلد ا صفحہ ۱۳۵ سے منقول ہیں۔

(۲) مولانا امین اللہ پشاوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر صریح بہتان ہے کہ انہوں نے ان (دو) سورتوں کا انکار کیا ہے۔"

(حقیقۃ التقلید و اقسام المقلدین صفحہ ۲۰۷)

(۳) مولانا محمد حسین میمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

"عبد اللہ بن مسعود کا سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سے انکار نہیں تھا بلکہ ان سے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا قرآن ہونا ثابت ہے کیوں کہ سیدنا عاصم کی قراءت ابو عبد الرحمن سلمی زر بن حبیش اور ابو عمر الشیبانی سے منقول ہے اس میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس موجود ہیں کیوں کہ یہ وہ قراء تیں ہیں جو عبد اللہ بن مسعود سے ثابت ہیں لہذا یہ کہنا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قراءت کا انکار کرتے تھے، درست نہیں۔"

(احادیث متعارضہ اور ان کا حل صفحہ ۱۵، ۱۶... ادارہ تحفظ حدیث فاونڈیشن)

(۴) حافظ شیر محمد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ آپ بدری صحابی اور السابقون الاولون میں سے ہیں۔ جو بد نصیب لوگ معوذتین وغیرہ کی وجہ سے آپ (ابن مسعود) پر کلام کرتے ہیں انہیں خود اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔"

(ماہنا الحدیث: شمارہ نمبر ۳۸ صفحہ ۶۴)

پہلے ہم نقل کر آئے ہیں کہ الحدیث رسالہ کے مضمون حافظ زبیر علی زئی اور حافظ ندیم ظہیر کے اتفاق اور

ان کی تصدیق سے شائع ہوتے ہیں لہٰذا غیر مقلدین کی ان تثلیث کے نزدیک سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر معوذ تین کی وجہ سے کلام کرنے والے "بد نصیب" ہیں اور انہیں اپنے "ایمان" کی فکر کرنی چاہیے۔

تنبیہ: حافظ شیر محمد غیر مقلد کی "الحدیث" والی مذکورہ عبارت اُن کی کتاب "فضائل صحابہ صفحہ ۱۱۱" میں بھی موجود ہے۔

(۵) فتاوی ابن تیمیہ میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:

"فمن قدح فیہ او قال هو ضعیف الروایۃ فهو من جنس الرافضۃ، جس نے ان میں عیب نکالا یا ان کو ضعیف الروایۃ کہا تو وہ رافضیوں کی جنس میں سے ہے۔"

(فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴/ ۳۲۴)

قارئین کرام! حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند پر غیر مقلدین کے اعتراضات اور پھر ہماری طرف سے ان کے جوابات پڑھ کر آپ جان گئے ہوں گے کہ ان میں کوئی معقول اور وزنی بات نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کراچی کے مشہور غیر مقلد مسعود احمد نے کھلے لفظوں کہہ دیا کہ اس حدیث کی سند میں کوئی خدشہ نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"یہ صحیح ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ حسن کا درجہ صحیح کے بعد ہے، اس حدیث کی سند بے شک حسن بلکہ صحیح ہے۔ سند میں کوئی خدشہ نہیں، نہ سند پر کسی نے کوئی خاص جرح ہی کی ہے، اس حدیث پر جو کچھ جرح ہوئی ہے وہ بلحاظ متن ہوئی ہے۔"

(خلاصہ تلاش حق صفحہ ۸۱)

مسعود صاحب کا اس حدیث کی سند کو "صحیح" بتانا تو یقیناً درست ہے، البتہ اُن کی طرف سے متن کو مجروح قرار دینا بلا دلیل ہے۔

بہت سے غیر مقلدین نے ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحیح تسلیم کیا، حوالہ جات ہمارے دوسرے مضمون میں مذکور ہیں۔ ان کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا بھی دلیل ہے کہ اس حدیث کی سند پر کئے جانے والے اعتراضات میں کوئی وزن نہیں۔

=÷=

فائدہ:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ترک رفع یدین پر غیر مقلدین کوئی معقول اور بادلیل اعتراض پیش نہیں کر سکے اور جو اعتراضات کئے انہیں خود ان کے اپنے غیر مقلدین نے رَد کر دیا ہے۔جب معترضین اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہوئے تو یوں اعتراض کر چھوڑا کہ اس حدیث کی رُو سے تو عیدین اور وتروں کا رفع یدین بھی ترک کر دینا چاہیے، تم یہ رفع یدین کیوں کرتے ہو۔(نور العینین وغیرہ)

جواب: محدثین اس حدیث کو رفع یدین عند الرکوع کا ترک بتانے کے لیے لائے ہیں یا اثباتِ رفع یدین عند الرکوع کے معارضہ میں اسے پیش کیا۔مثلاً امام نسائی رحمہ اللہ نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو رفع یدین عند الرکوع کے ترک اور رخصت والے باب میں درج کیا ہے۔

(سنن نسائی:۱/۱۲۰،۱۱۷)

میری معلومات کے مطابق محدثین نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عیدین کی زائد تکبیروں والے رفع یدین اور وتروں والے رفع یدین کی نفی کے لیے پیش نہیں کیا۔لہٰذا اس حدیث کو وتروں اور عیدین کے رفع یدین کے ترک پر چسپاں کرنا فہم محدثین کے خلاف ہے۔جب کہ معترضین کو یہ بھی اعتراف ہے کہ محدثین حدیث کے مطلب کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔

چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:۔

"محدثین کرام جو فہم حدیث کے سب سے زیادہ ماہر تھے۔"

(توضیح الاحکام:۳/۱۸۹)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"جس طرح جوہر کے بارے میں جوہری، طب کے بارے میں طبیب، انجن کے بارے میں انجینئر وغیرہ کی بات تسلیم کی جاتی ہے اسی طرح حدیث کے بارے میں اہل الحدیث (محدثین) کی بات حجت ہے فن میں فن والے کی بات ہی مانی جاسکتی ہے دوسرے کی نہیں"

(علمی مقالات:۲/۶۵)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

=÷=

”اور یہ ظاہر ہے کہ فقہائے محدثین اپنی بیان کردہ احادیث کا تفقہ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔“

(علمی مقالات:۳/۸۳)

مزید عرض یہ ہے کہ اگر آپ کے بقول اس سے وتروں اور عیدین کے رفع یدین کا ترک ثابت ہوتا ہے تو جن جن غیر مقلدین نے حدیث ابن مسعود کو صحیح کہا ہے اُن سے مطالبہ کریں کہ وہ رکوع کے رفع یدین کو ترک کرنے کے ساتھ وتروں اور عیدین کا رفع یدین بھی چھوڑ دیں۔ یہاں علی زئی صاحب کی درج ذیل عبارت ذہن میں رہے:

”امام شافعی نے فرمایا: اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حدیث کی سند صحیح و متصل ثابت ہو جائے تو یہ سنت ہے۔“

(علمی مقالات:۶/۴۴۹)

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

مولانا ساجد محمود سلانوالی صاحب حفظہ اللہ، سرگودھا (قسط:1)

تضادات مماتیت

اہل باطل کا ازل سے یہ وطیرہ چلا آرہا ہے کہ وہ حق بات سے انحراف کے لئے مختلف قسم کے شوشے اور پروپیگنڈے کرتے آئے ہیں۔وہ ایک مخصوص قسم کا شوشہ ایجاد کرلیتے ہیں اور پھر اسی کے بل بوتے پر اپنے غلط نظریات لوگوں میں پھیلانے کے لئے اپنی راہیں ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ ان کے پاس وہ ہتھیار ہے جو کسی نہ کسی حد تک ضرور کام کر دکھاتا ہے۔آج کے دور میں جتنے بھی فرق باطلہ ہیں وہ اس قسم کے ہتھیاروں سے پوری طرح لیس ہو کر میدان میں آئے ہوئے ہیں،اور عام عوام میں اپنے غلط نظریات کا بیج بونے کی کوشش کر رہے ہیں،زیر نظر مضمون اہل باطل کے ایک طبقہ نام نہاد اشاعت التوحید والسنہ کے کیمپ سے اہل سنت والجماعت احناف دیوبند کے خلاف ایک اٹھنے والے شوشہ کے متعلق ہے۔

ان کا اہل سنت کے خلاف یہ شوشہ زبان زد عام وخاص ہے کہ

> ”قائلین حیات فی القبر کے نظریات مختلف اور متضاد ہیں وہ کسی ایک نظریہ پر اکٹھے نہیں،یعنی ان کی کتب انہی کے خلاف ہیں ان کی عبارتیں ان کے عقائد و نظریات کو کھا جاتی ہیں ان کے متضاد نظریے اور عقیدے ہیں“

وہ اس شوشہ سے اپنے علم وفکر کے خالی برتن میں مدھانی ڈال کر زور زور سے ہلا جلا کر یہی خلاصہ نکالتے ہیں کہ

> ”قائلین عقیدہ حیات فی القبر کے نظریات چونکہ مبنی بر جھوٹ ہیں اور جھوٹ کے چونکہ کوئی پاؤں نہیں ہوتے لہٰذا ان کا ایک عالم کچھ کہتا ہے اور دوسرا اس کے خلاف کچھ اس طرح ان کو اپنے عقیدے کا بھی علم نہیں اور ان کا کوئی ایک متعین عقیدہ بھی نہیں جس پر یہ اپنے پاؤں جما سکیں۔“

محترم قارئین مماتی مشینوں سے نکلتا ہوا یہ سیاہ دھواں آپ نے کئی دفعہ دیکھا ہو گا ان کا یہ شور شرابہ کئی دفعہ سنا بھی ہو گا چونکہ ایسے لوگوں کو علم و تحقیق کی ہوا تک نہیں لگی ہوتی اس لئے ان کا اس قسم کے بھنگڑے ڈالنا اور اس پر رقص کرکے اپنے من کو خوش کرنا بعید از قیاس نہیں۔بھلا جو شخص یہ جانتا ہو کہ ایک ضعیف قسم کی

روایت کتب احادیث میں موجود ہے۔اور کسی امر پر وجوب کا حکم لگانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایت صحیح ثقہ راویوں سے نقل شدہ ہو۔ لیکن ایسے امر کے متعلق کوئی روایت موجود نہیں۔

سو اس پر اگر کوئی عالم یوں کہہ دے کہ اس روایت سے یہ حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ضعیف روایت ہے تو اس کا یہ کہنا بالکل بجا ہے اور پھر وہی عالم اس حدیث شریف سے کسی امر کا مستحب و مسنون ہونا ثابت کر دے اور یہاں کہہ دے کہ یہ روایت قابل استدلال ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ نوعیت مسئلہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔لہذا ایسے عالم کے علم پر تو داد دینی چاہیے کہ اس کی نظر عمیق ہے اس کی تحقیق دقیق ہے۔ لیکن ہمارے کرم فرماؤں کو بھلا ایسی باتیں کہاں سمجھنی ہیں اور انہیں عقل و شعور سے کیوں کر کام لینا ہے؟

خیر اس وقت ہم اس موضوع میں مزید جائے بغیر اپنے قارئین کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے بارے متضاد عبارتوں اور متضاد عقیدوں کا واویلا کرنے والوں کے ذرا گھر کا جائزہ لیجیے، ہمارے گریبانوں کو پکڑنے والوں کے گریبان میں جھانک کر دیکھیے تو اندر سے وہ ساری باتیں خود بخود مل جائیں گی جن کا وہ ہمیں الزام دیتے ہیں۔

ا:موت کے بعد روح کا بدن کے ساتھ مفارقت کلی ہے یا نہیں؟

اس پر سب سے پہلے ہم ان کا وہ متضاد نظریہ پیش خدمت کرنا چاہتے ہیں جو بعد موت روح کا جسد حقیقی سے کلی مفارقت کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہے۔

اس طبقہ کے موجودہ امیر حضرت مولانا محمد طیب طاہری صاحب کا تحریر کرنا ہے کہ

"برزخ میں بدن کے ساتھ روح کا تعلق اگرچہ (موت) سے روح اس دن کو چھوڑ دیتی ہے لیکن بایں طور کہ ان میں کلی جدائی نہیں ہوتی کہ روح کا اس کی طرف التفات ہی نہ رہے۔"

(مسلک الاکابر صفحہ 12)

گویا حضرت موصوف کے نزدیک روح بدن سے کلی مفارقت نہیں کرتی بلکہ ان کے نزدیک روح کا اس بدن سے ایک قسم کا تعلق ضرور رہتا ہے۔

اس نظریہ کے خلاف انہی کے ایک پرانے بزرگ حضرت مولانا حسین نیلوی لکھتے ہیں کہ

"پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روح کا بدن عنصری میں ایک تعلق اور کنکشن ہے سو یہ بھی غلط ہے۔"

(ندائے حق از نیلوی حصہ آخری صفحہ 144)

=÷

۲: عالم برزخ میں جسد حقیقی عذاب وثواب محسوس کرتا ہے یا نہیں؟

عالم برزخ میں جسد حقیقی کا عذاب وثواب محسوس کرنے یا نہ کرنے کے متعلق بھی ان کا جھگڑا آسمان سے باتیں کرنے لگا اور وہ یوں ایک بار پھر آپس میں گتھم گتھا ہوئے۔

چنانچہ ان کے ایک مشہور مصنف مولانا محمد جمشید صاحب تحریر کرتے ہیں

"ہاں جسم کے ساتھ روح کا اتنا تعلق ہوتا ہے کہ جو عذاب یا راحت روح کو ملتی ہے اس کا احساس راحت اور سکون یہ جسم بھی محسوس کر سکے اور جسم کے ریزہ ریزہ اور مٹی ہو جانے کے بعد اللہ تعالی اس روح کا تعلق اس جسم کے ایک ذرہ کے ساتھ پیدا کر دیتا ہے جس سے اس مردے کو برزخی کا عذاب یا راحت محسوس ہوتا ہے۔"

(نفی سماع انبیاء واموات صفحہ 67)

دو صفحات آگے جا کر فائدہ میں مزید وضاحت سے لکھتے ہیں۔

"لیکن پھر ان ارواح کا اپنے جسموں کے ساتھ ایک تعلق سا ہوتا ہے جس سے یہ جسم بھی برزخی سزا محسوس کرتا ہے"

(ایضا صفحہ 69)

یہ تو وہی حق بات ہے جو چودہ صدیوں سے اہل سنت کے حلقوں سے ہمیشہ نکلتی آئی ہے اور اس بار حضرت موصوف کے قلم نے بھی سچ لکھ دیا ہے۔ لیکن موصوف صاحب کی اس آواز کو دبانے کے لئے ان کے ہم مسلک ایک عالم جناب مولانا محمد اسحاق توحیدی صاحب کھڑے ہوئے اور زور لگا کر کہتے ہیں کہ

"فائدہ: اس سے بڑھ کر اور کیا صراحت ہو سکتی ہے کہ قبر میں روح کا بدن سے بالکل تعلق نہیں ہے۔"

(عقیدت الاکابر ولا صاغر صفحہ 102)

مزید لکھتے ہیں

"جیسے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے اسی طرح اس قبر میں روح کے واپس آنے کی نفی ہے اور اسی طرح تعلق روح کی بھی نفی ہے"

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

(ایضا صفحہ 26)

محترم حضرات آپ نے ان کی اختلافی عبارتیں اور متضاد نظریے دیکھ لیے۔ سو اس پر مزید ہم عرض کریں تو کیا کریں فقط اتنا ہی کہیں گے کہ

"الزام ہمیں دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

(جاری)

=÷

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ

قبر سے دستگیری

(امداد المشتاق کی ایک عبارت پر اہل بدعت کا اعتراض اور اس کا جواب)

آج کل سوشل میڈیا اور واٹس اپ گروپس پر رضاخانی ایک عبارت پیش کر رہے ہیں جو کچھ یوں ہے:

"حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا بعد انتقال حضرت مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمائیے حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے یا آدھ آنہ روز ملا کرے گا"۔

(امداد المشتاق صفحہ:۱۲۳)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رضاخانیوں نے لکھا:

"جناب اشرفعلی تھانوی صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے کہبعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے یہ حق، سچ، ایمان ہے یا کفر، شرک، بدعت ہے اور سوال یہ ہے کہ قبر والے سے یہ کہنا کہ بہت پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے یہ ماتحت الاسباب ہے یا مافوق الاسباب اگر ماتحت الاسباب ہے تو کوئی اور بھی مانگ سکتا ہے یا صرف دیوبندیوں کو اس کی اجازت ہے اور اگر مافوق الاسباب ہے تو شرک ہوا یا نہیں؟"

غیر مقلدین جو اسی تاک میں لگے رہتے ہیں کہ بریلویہ کی طرف سے کوئی حوالہ یا اعتراض ہمیں ملے تاکہ ہم دونوں بھائی اہل حق کے خلاف شانہ بشانہ کام کریں وہ بھی اس حوالے پر معترض ہیں لہٰذا ہم دونوں کو سامنے رکھ کر جواب دیں گے۔

جواب: اس اعتراض کو سمجھنے کیلئے پہلے مسئلہ استمداد کو سمجھنا ضروری ہے چنانچہ ہم سب سے پہلے مسئلہ استمداد من غیر اللہ کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

=÷=

مسئلہ استمداد من غیر اللہ کی وضاحت

اہل السنت والجماعت علماء دیوبند (نور اللہ وجوہھم یوم القیامۃ) کے نزدیک دلائل کی روشنی میں نداء اور استعانت میں تفصیل اور تقسیم ہے۔نہ نداء واستعانت تمام کی تمام بالکلیہ جائز ہے اور نہ مطلقاً شرک ہے بلکہ اس میں تقسیم ہے جس کی تفصیل حاضر خدمت ہے۔بتوفیق اللہ تعالی وعونہ

بحث اول: استعانت من غیر اللہ کے بارے میں کریں گے۔

استمداد من غیر اللہ آٹھ قسم پر ہے:

قسم اول: اللہ تعالیٰ کے علاوہ (نبی،ولی،پیر،بُت و دیگر غیر اللہ) کو مستقل اور قادر بالذّات سمجھنا اور ان سے مدد مانگنا۔

حکم: ایسی مدد مانگنا صریح شرک ہے،ایسا شرک جس کی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔اور عموماً مدّعیانِ اسلام میں اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے صرف وثنیہ (بت پرست) اس کے قائل ہیں کہ وہ وجود باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ دوسری مخلوقات کو بھی قادر بالذّات سمجھتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔العیاذ باللہ

قسم دوم: غیر اللہ (مستعان منہ،جس سے مدد مانگی جاتی ہے) کو تو قادر بالذّات نہیں سمجھتے ہیں۔لیکن قادر بالعطاء سمجھتے ہیں۔لیکن ان کا عقیدہ ایسا ہوتا ہے کہ اس بندے (نبی یا ولی و دیگر مخلوق) کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت دی ہے جس کے بعد یہ مستقل اور خود مختار بن گیا ہے کہ اب جو بھی چاہتا ہے اور جب بھی چاہتا ہے اور جس کے حق میں بھی چاہتا ہے وہ کر سکتا ہے۔

حکم: استعانت کی یہ صورت بھی شرک ہے اور منصوصی (قرآن کی رُو سے) شرک ہے۔مشرکین مکہ کا بھی یہی قصور تھا۔کیوں کہ وہ اپنے معبودوں کو قادر بالذات نہیں کہتے تھے بلکہ ان کو متصرف باذن اللہ سمجھتے تھے۔لیکن ان کا خیال یہ ہوتا تھا کہ ان بتوں کو تو اب ویسے بھی اختیارات حاصل ہو گئے ہیں،وہ اب جس کے لئے اور جب بھی چاہیں مدد کر سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مشرکین زمانہ جاہلیت میں ایسی تلبیہ پڑھتے تھے۔

"لبیک اللھم لبیک لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وماملک "

"ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں۔آپ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے لیکن وہ (شریک) ہے کہ جو آپ کا (شریک) ہے۔آپ ان کے اور ان کے تمام مملوکات کے مالک ہو"۔

=÷=

اگر قرآن کی طرف رجوع کی جائے وہاں بھی ہمیں تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو قادر بالذات نہیں سمجھتے تھے:(هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰہ۔ما نعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰہ زُلْفَى)

"وہ کہتے تھے کہ یہ (اصنام) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ ہم ان کی عبادت صرف اس وجہ سے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچائے۔"

الغرض: ایسا عقیدہ بھی شرکیہ عقیدہ ہے اور افسوس کی بات ہے کہ آج کل بعض جہلاء مدّعیانِ اسلام نے بھی یہ عقیدہ اپنایا ہوا ہے۔اللهم احفظنا منہ آمین

میری مراد بریلوی طبقہ (واخواتهم) ہے

قسم سوم: زندہ آدمی سے امورِ عادیہ میں مدد مانگنا، کہ وہ فعل عادۃً انسان کا فعل شمار ہوتا ہے۔یہ مستعان منہ محض ذریعہ اور آلہ بن جاتا ہے اور حاجت روا اور مشکل کشا فقط اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھا جاتا ہو۔

مثلاً: میں نے زید سے کہا کہ مجھے پانی دیدو، یا مثلاً میری فلاں مدد کرو، یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زندہ دوستوں سے امورِ عادیہ مدد مانگی تھی کہ:(مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللّٰہ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰہ)

(سورۃ ال عمران آیت ۵۲)

اسی طرح دوسری جگہ میں ذوالقرنین کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے اپنے زندہ ساتھیوں سے امورِ عادیہ میں مدد مانگی تھی کہ:(فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ)(سورۃ الکھف:۹۵) میرے ساتھ اپنی قوت میں مدد کرو۔

ایسے بہت زیادہ دلائل اور شواہد موجود ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مدد مانگی ہے۔اس سے یہی قسم مراد ہے۔اور اس کو ماتحت الاسباب استمداد کہتے ہیں

حکم: یہ قسم بالاتفاق جائز ہے۔

نوٹ: ہم اہل السنّۃ والجماعۃ جس طرح تفریط (کمی) کے قائل نہیں ہیں اسی طرح افراط (زیادتی) کے بھی قائل نہیں ہیں۔بالفاظ دیگر جس طرح بدعت کے قائل نہیں ہیں اسی طرح الحاد کے بھی قائل نہیں ہیں۔

قسم چہارم: زندہ آدمی سے امورِ غیر عادیہ میں امداد طلب کرنا کہ وہ عادۃً اور شرعاً انسان کی قدرت سے باہر ہو اور انسان کا فعل بھی شمار نہیں ہوتا ہو۔مثلاً اے مرشد اے پیر مجھے بچہ دیدو وغیرہ۔

حکم:(استعانت من غیر اللہ) کی یہ قسم بھی ناجائز ہے۔البتہ کرامت اور اعجاز (معجزہ) اس سے مستثنیٰ ہے۔

=÷=

قسم پنجم: نبی یا ولی کی وفات کے بعد امور غیر عادیہ یا ان امورِ عادیہ کہ جس میں انسان کی موت کے ساتھ اس کی قدرت اور طاقت ختم ہو جاتی ہے میں مدد مانگنا۔ مثلاً (امور غیر عادیہ کی مثال) اے مرشد اے پیر مجھے اولاد عطا کر۔ (ان امور عادیہ کی مثال جس کی موت کی وجہ سے طاقت و قوت ختم ہو جاتی ہے) اے فلاں میری فلاں مقدمہ ختم کرو۔

حکم: یہ بھی ناجائز ہے۔ الا یہ کہ یہ بطریق توسل و دعا ہو۔

قسم ششم: کسی نبی یا ولی سے بعد از وفات روحانی فیض حاصل کرنے میں مدد طلب حاصل کرنا۔

حکم: یہ قسم جائز ہے۔

تنبیہ: روحانی فیض سے بریلویوں قبر پرستوں جیسا حصولِ فیض مراد نہیں ہے کہ روح مدد کرتی ہے العیاذ باللہ۔ بلکہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر جائز صورت میں مراد ہے۔ یعنی اس سے مراد فیضِ قبور ہے۔ (تفصیل کیلئے کتاب توضیح عبارات اکابر کا مطالعہ کریں)۔

قسم ہفتم: اُمورِ عادیہ اور غیر عادیہ میں زندہ یا وفات شدہ کے توسل اور برکت کی مدد سے اللہ تعالیٰ سے دعا اور مدد مانگنا۔

حکم: یہ قسم جائز ہے اس کو مجازاً مدد کہا گیا ہے حقیقت میں توسل ہے اور مدد اللہ سے مانگی ہے۔

تنبیہ: اس قسم میں استشفاع بھی داخل ہے۔

قسم ہشتم: ایک نبی یا ولی ایک خاص وقت میں بطور اعجاز و کرامت کہہ دیں کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ اس خاص وقت میں سائل اس سے امور عادیہ اور غیر عادیہ میں کوئی مطالبہ کرے اور مدد مانگے۔

حکم: یہ جائز ہے۔

ایک تو اس میں استمرار نہیں ہے کیونکہ یہ کرامت ہے اور کرامت میں استمرار نہیں ہوتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ یہ بندہ کا فعل نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ کیونکہ کرامت اور معجزہ بندہ کا فعل نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو بندہ کے ہاتھ پہ ظاہر ہوتا ہے۔ (کما مرّ تفصیلہ) اس میں طاقتِ بشریہ کو دخل نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ خلافِ قانون ہے اور خلاف قانون میں استمرار اور دوام نہیں ہوتا ہے۔

خلاصہ: یہ کل آٹھ قسمیں ہوئیں جس میں چار قسم جائز اور چار ناجائز ہیں۔

=÷=

مذکور تقسیم کو آسان الفاظوں میں یوں بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ وہ مدد جو مافوق لااسباب ہو تو ناجائز اور جو ماتحت الاسباب ہو تو وہ جائز ہوگا۔ تو جو جواز کی قسم ہو وہ ماتحت الاسباب میں داخل ہوگا اور باقی مافوق لاسباب میں ہوگا۔

خلاصہ: اس تمام بحث کا یہ خلاصہ نکلا کہ نہ ہم مطلقا استمداد کی اجازت دیتے ہیں۔ اور نہ مطلقاً نداء جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس میں بین بین (مبنی بر اعتدال) انصاف کے ساتھ اپنے وصف کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر نہ افراط سے کام لیتے ہیں اور نہ تفریط سے بلکہ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ یعنی ہم اس نداء اور استعانت سے لوگوں کو منع کرتے ہیں کہ وہ امور غیر عادیہ میں مطلقاً (میتاً و حیّاً) اور ان امور عادیہ میں استعانت (مدد مانگنا) جو اس کی قدرت کے باہر ہو یا کسی مخلوق کو قادر بالذات یا قادر بالعطاء سمجھتے ہوئے پھر اسے مستقل اور خود مختار بنادے۔ ایسی استعانات ہم بدلائل نہیں مانتے ہیں۔ اور وہ نداء و استعانت جو انسان کی قدرت میں ہو اور ماتحت الاسباب ہو ایسی ندا اور استعانت کو ہم مانتے ہیں۔ فللّٰہ الحمد۔ اور اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے بھی یہی نظریات ہیں کہ استعانتِ محرّمہ کے قائل ہیں اور نہ بالکلیہ استعانت کے منکرین ہیں۔ بالفاظ دیگر نہ غیر مقلدین خوش ہوں کہ ہم نے علماء دیوبند کی کتب میں استعانت کے الفاظ پائے ہیں فلہٰذا ہم اپنی تکفیری مشن میں کامیاب ہوئے، نہیں بلکہ یہ ان (غیر مقلدین) کی غلط فہمی ہے۔ ہم (علماء دیوبند) ہرگز ہرگز استعانتِ محرّمہ کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو اس کو صریح شرک اور ناجائز کہتے ہیں۔

اور نہ بریلوی حضرات خوش ہوں کہ گویا ہماری شرکیہ عقائد علماء دیوبند کی کتب سے بھی ثابت ہیں، نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہمارے نزدیک اس میں تفصیل ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ تو بریلویوں اور علماءِ حقہ کے عقائد میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ لیکن ناسمجھ اور قلتِ عقل والے غیر مقلدین اور بریلوی اس فرق سے یا تو جاہل ہیں یا متجاہل ہیں۔

اکابرین علماء دیوبند سے وضاحت

خود اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی ملاحظہ فرمائیں کہ علماء دیوبند (رحمہم اللہ) نہ تو استعانتِ فاسدہ کے قائل ہیں اور نہ مطلقاً استعانت کو شرک وناجائز کہتے ہیں۔ مثلاً

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ استعانت کی ایسی اقسام بیان کرتے ہیں کہ:

(۱)... استعانت واستمداد بالمخلوق جو باعتقاد علم وقدرت مستقل مستمد منہ ہو وہ شرک ہے۔

=÷=

(۲)...اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو معصیت ہے۔

(۳)...اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم وقدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستمد منہ زندہ ہو یا میت۔

(۴)...اور جو استمداد بلا اعتقاد علم وقدرت ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات التاریخیه

(۵)...وگرنہ لغو ہے۔

(امداد الفتاویٰ:۵/ ۳۳۵)

تو معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ نہ تو مطلقاً استمداد کے شرک کے قائل ہیں اور نہ مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

مفتی رشید احمد گنگوہیؒ بھی اس کے بارے میں تقسیم کے قائل ہیں، غیر مقلدین اور انکے بھائی بریلوی حضرات مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کا عقیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں وہ فرماتے ہیں کہ:

استعانت کی تین معنٰی ہیں:

(۱)... حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمتِ فلاں میرا کام کر دے یہ بالاتفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ اس میں کسی کا کلام نہیں۔

(۲)...صاحب قبر کو کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے...

(۳)... قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے اس میں علماء کا اختلاف ہے، مجوّزین سماع موتی اس کے جواز کے قائل ہیں...الخ۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”نداء غیر اللہ کو کرنا دور سے شرکِ حقیقی تب ہوتا ہے کہ ان کو عالمِ سماع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ اس کو مطلع فرمادے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر

وحرماں میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہر گز نہ مقصود اُسماع ہوتا ہے نہ عقیدۃً، پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات واشعار بزرگان کی ہوتی ہے کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت مگر ہاں بوجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ایہام بھی ہے"۔

(فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ: ۱۸۲)

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں کہ:

"جب انبیاء علیہم السلام کو علمِ غیب نہیں تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا اگر یہ عقیدہ کرکے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسببِ علمِ غیب کی تو خود کفر ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر مشابہ کفر ہے...."

(ایضاً ص: ۲۰۳و۲۰۴، مکاتیب رشیدیہ ص: ۷۲)

اسی طرح ایک جگہ پر حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ ایک قول ذکر کرتے ہیں کہ:

"سو اشعار ومدح میں جو نداء خطاب پڑھا جاتا ہے اگر ذات فخر عالم کو حاضر وناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو وہ مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کی کہ اگر ضمن صلوۃ وسلام میں ہے تو ملائک آپ ﷺ تک پہنچادیں گے اور جو بدون اس کی ہے وقت غرضِ اعمال کی پیش ہوجاوے گا تو جائز ہے مگر چوں کہ اس مجمع میں جہاؔل، سفہاء اور اہلِ بدعت کہ تمام اولیاء تک کی نسبت ان کا عقیدہ عالمِ بالذات ہونے اور متصرف بالذات ہونے کا ہے موجود ہوتے ہیں تو بصورت نداء خطاب کے ان کے عقائد کا افساد اور ان کی بدعت وشرک کی تائید ہوتی ہے تو در صورتیکہ یہ امر مظنون بلکہ بحکم یقین ہے تو در صورۃِ ثانیہ خطاب شرک نہیں مگر توہمِ شرک اور سببِ فتنہ وفساد کا ہے.... الخ۔

(البراہین القاطعہ، ص: ۲۷)

اسی طرح تقسیمات شیخ الاسلام محدّث دوران مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی "الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد" میں مفصّلاً ومحققاً بحث کی ہے۔

=÷=

ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند مناظرِ وقت فقیہ العصر مولانا حسن چاند پوری رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً نے بھی اس کے متعلق مفصّل ومدلل اور منقح بحث کیا ہے، دیکھئے:"سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد"مشمولہ رسائل چاند پوری جلد دوم)

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد اب سمجھیں کہ امداد المشتاق کا واقعہ استعانت کی قسم نمبر ۷ میں آتا ہے اور فتاوی رشیدیہ کی قسم نمبر ۳ میں۔

یہ ممکن ہے کہ اس مرید کو کشف قبور ہوا ہو اور کشف قبور ثابت ہے۔جیسا کہ مفسر ابن کثیرؒ نے ابن عساکرؒ کے حوالہ سے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۱ کی تفسیر میں حضرت عمر کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ:

حضرت عمر کے زمانہ میں ایک نوجوان مسجد میں کثرت سے عبادت کرتے تھے، ایک عورت نے اس نوجوان کو دیکھا اور اس پر عاشق ہو گئی، اس جوان کو اپنی نفس کی خواہش پورا کرنے کے لئے بلایا، اور ہمیشہ اس کو دھوکہ کرنے کی ترکیب کرتے یہاں تک کہ اس جوان کو اپنے گھر لانے کے قریب کر دیا لیکن اس کے ذہن میں قرآن کریم کی یہ آیت آئی اور اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:(ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون) اور بے ہوش ہو گئے، اور جب پھر اس آیت کی تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس جوان کی روح پرواز کر گئی، تو حضرت عمرؓ اس جوان کی تعزیت کے لئے اس کے والد کے پاس تشریف لے گئے ،چونکہ اس جوان کو رات کے وقت ہی دفن کر دیا تھا، اور حضرت عمرؓ نے اس جوان کے جنازے میں شرکت نہیں کی تھی، اور حضرت عمرؓ اس جوان کی قبر پر حاضر ہوئے اور آواز لگائی کہ:

ثمَّ ناداهُ عُمرُ فقال: يا فتى ولِمنْ خاف مقام ربّہ جنّتانِ فأجابہ الْفتى مِنْ داخل الْقبْر: يا عُمرُ قدْ أعْطانِيهِما ربِّي عزَّ وجلَّ فِي الْجنَّةِ مرَّتيْن"

ترجمہ:عمرؓ اس جوان کے قبر کے پاس آیا اور صاحب قبر (میت) سے مخاطب ہوا کہ:اے جوان...!جو اللہ تعالیٰ کے مقام سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لئے دو جنت ہیں، تو (قبر سے اس میت) جوان نے جواب دیا کہ: اے عمرؓ:یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں جنت دیئے۔اس واقعہ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"وقدْ ذكر الْحافِظُ ابْنُ عساكر فِي ترْجمةِ عمْرِو بْنِ جامعٍ مِنْ تاريخِہ أنَّ شابًّا كان يتعبَّدُ فِي الْمسْجِدِ، فهوِيتْہ امْرأةٌ فدعتْہ إلى نفسها، فما زالتْ بِہ حتّى كاد يدْخُلُ معها الْمنْزِل، فذكر هذِهِ الْآيةَ إِنَّ الّذِين اتّقوْا

إذا مسّهُمْ طائِفٌ مِن الشّيْطان تذكرُوا فإذا هُمْ مُبْصِرُون فخرّ مغْشِيًّا عليْہ، ثمّ أفاق فأعادها، فمات، فجاء عُمرُ فعزّى فيہ أباهُ، وكان قدْ دُفن ليْلًا فذهب فصلى على قبْرِهِ بمنْ معہ، ثمّ ناداهُ عُمرُ فقال: يا فتى ولِمنْ خاف مقام ربّہ جنّتانِ فأجابہ الْفتى مِنْ داخِلِ الْقبْرِ: يا عُمرُ قدْ أعْطانِيهِما ربّي عزّ وجلّ فِي الْجنّةِ مرّتيْنِ.[تفسیر ابن کثیر:۳/۵۳۴]

نوٹ: یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب میں بھی موجود ہے: تاریخ ابن عساکر ۳/ ۴۱۱، مختصر تاریخ دمشق لابن منظور: ۱۹۰/۱۹، روضۃ المحبین لابن القیم : صفحہ:۳۱۷۔)

دیکھئے... عمرؓ کا قبر والے سے بات کرنا کشف قبور نہیں ہے...؟ معلوم ہوا کہ اس طرح کی واقعات ثابت ہیں، لیکن ہر وقت ہر کسی کے لئے اور اس کے ساتھ ساتھ ان سے ناجائز مدد طلب کرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اور کشف قبور

حافظ ابن تیمیہؒ الحنبلی (المتوفیٰ:۷۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

”وقدْانْكشف لِكثِيرٍ مِنْ النّاس ذلك حتّى سمِعُوا صوْت الْمُعذّبِين فِي قُبُورِهِمْ ورأوْهُمْ بِعُيُونِهِمْ يُعذّبُون في قُبُورِهِمْ فِي آثارٍ كثِيرةٍ معْرُوفةٍ“

(فتاویٰ ابن تیمیہ:۴/ ۲۹۶)

زیادہ لوگوں پر قبر کے حالات منکشف ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان لوگوں کی آوازیں سنتے ہیں جن کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سے واقعات موجود اور مشہور ہیں۔

حافظ ابن القیم الحنبلیؒ اور احوالِ قبور

غیر مقلدین کا ممدوح شیخ الاسلام حافظ ابن القیمؒ (المتوفیٰ:۷۵۱ھ) حضرت مطرف تابعیؒ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے علاقے کے قبرستان تشریف لے گئے:

”فرأى أهْل الْقُبُور كلّ صاحب قبْرٍ جالِسا على قبْرِهِ، فقالوا: هذا مُطرِّفٌ يأتِي الْجُمُعة قلْتُ وتعلمُوْن عِنْدكمْ يوْم الْجُمُعة قالوا: نعمْ، ونعْلمُ ما يقُولُ فِيہ الطّيْرُ. قلْتُ: وما يقولون؟ قالوا يقولون سلام سلام“

(کتاب الروح: ص:۲۲و۲۳، المکتبۃ الحقانیہ پشاور پاکستان)

=÷=

ترجمہ: آپ نے قبر والے کو دیکھا کہ ہر قبر والا اپنی قبر پر بیٹھا ہے سب نے انھیں دیکھ کر کہا: لو یہ مطرفؒ ہیں جو ہر جمعہ کو (ہمارے پاس) آتا ہے، تو میں نے ان کو کہا کہ کیا تمہیں بھی جمعہ کے دن خبر رہتی ہے، تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں، بلکہ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ چڑیاں اس دن کیا کہتے ہیں، تو میں نے کہا کہ وہ کیا کہتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ وہ اس طرح کہتے ہیں کہ: سلام سلام۔

ملاحظہ: غیر مقلدین ابن القیمؒ کو تارك التقلید اور سر خیلِ اہل حدیث کہتے ہیں۔(دیکھے مقالات الحدیث، ص:۴۳۱۔ فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ:۱/۲۶۳)

اور اس کتاب کے متعلق زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ: "ابن القیم کی ثابت شدہ کتاب الروح ...."(توضیح الاحکام:۱/۱۱۹)

نیز... یہ حوالہ مشہور مفسر ابن کثیرؒ(المتوفیٰ:۷۷۴ھ) نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کی ہے (دیکھے: سورۃ الروم آیت نمبر ۵۳، ناشر: دار طيبة للنشر و التوزيع، المحقق: سامی بن محمد سلامة)

بہر حال امداد المشتاق کا مذکورہ بالا واقعہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جولاہے کو اس وقت کشف قبور ہو گیا ہو اور ہم چونکہ قبر میں حیات بھی مانتے ہیں اور اکثر سماع کے بھی قائل ہیں تو اس شخص نے بطور توسل اور دعا اپنے پیر سے کہہ دیا ہو گا کہ یہ مشکل ہے۔ پیر صاحب نے اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگی ہو گی اور اللہ نے کرامۃ اس مزار سے اس کرامت کا ظہور کر دیا مگر عقیدہ اور کرامت میں فرق ہے۔

عقیدے اور کرامت میں چند فروق

(۱)... عقیدہ دائمی ہوتی ہے اور کرامت عارضی اور غیر دائمی ہوتی ہے۔

(۲)... عقیدہ اختیاری چیز ہے اور کرامت و کشف ولی کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے،

(۳)... کرامت سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے جبکہ عقیدہ تو احکام کا منبع ہے

(۴)... کرامت کسی اور پر حجت نہیں ہوتا جبکہ عقیدہ سب کیلئے یکساں ہے

(۵)... کرامت ایک ظنی چیز سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جبکہ عقیدہ کے لئے مضبوط دلیل درکار ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب بریلوی حضرات کو ہم مشرک اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قبر والے کو مستقل بطعا قادر مانتا ہے اور مافوق

=÷=

الاسباب اس مردے ہی سے مانگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ مجھے ملا اس مردے کے اختیار سے ملا اور یہ اس پر قادر تھا اس کو بطور عقیدہ اپناتا ہے یہ شرک ہے۔

جبکہ علمائے احناف دیوبند اہل قبور سے بطور توسل مجازی اور صوری استعانت کے قائل ہیں (نہ کہ حقیقی استعانت) وہ اہل قبور کو مافوق الاسباب میں قادر بھی نہیں مانتے اور اگر توسل کی صورت میں ایسا کچھ ظاہر ہوا تو اسے کرامت مانتے ہیں اور کرامت و معجزہ درحقیقت اللہ ہی کا فعل ہے گویا اس صورت میں اہل قبر نے کوئی مدد نہیں کی بلکہ مدد اللہ ہی نے کی یہ گویا واسطہ بن گیا۔

تو علماء احناف جس نظریہ کی تردید کرتے ہے وہ عقیدۃً اور دائماً تسلیم کرنے والے نظریہ کی تردید ہے، اور اس عقیدہ کی تردید کرامت (عارضی اور خرق عادت) کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

معترض کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر ۱: جناب اشرفعلی تھانوی صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے کہ بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے یہ حق، سچ، ایمان ہے یا کفر، شرک، بدعت ہے

جواب: حق سچ ہے۔ الحمدللہ۔

سوال نمبر ۲: اور سوال یہ ہے کہ قبر والے سے یہ کہنا کہ بہت پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے یہ ماتحت الاسباب ہے یا مافوق الاسباب اگر ماتحت الاسباب ہے تو کوئی اور بھی مانگ سکتا ہے یا صرف دیوبندیوں کو اس کی اجازت ہے اور اگر مافوق الاسباب ہے تو شرک ہوا یا نہیں؟

جواب: یہ سب ماتحت الاسباب ہیں اس لئے کہ روٹی تو باپ، بھائی، سیٹھ، بھی دے دیتا ہے۔ رزق اسباب سے مربوط ہے۔ کوئی اور سے مراد اگر عوام کالانعام خصوصاً بریلوی ہوں تو بالکل بھی نہیں مانگ سکتے کیونکہ وہ جب مانگے گیں تو اس عقیدے سے مانگے گے کہ یہ ولی مافوق الاسباب ہر طرح کا قادر مختار ہے اس لئے اس سے مانگو جو کہ صریح شرک ہے۔

=÷=

مولانا الیاس علی شاہ صاحب حفظہ اللہ

مسئلہ سماع موتیٰ

عام سماع اموات مختلف فیہ مسئلہ ہے

ہمارے علمائے دیوبند کی تحقیق میں عام اموات کا سماع عند القبور مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

۱: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

"یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہے"

(فتاوی رشیدیہ ص84)

"اور سماع موتی کا مسئلہ بھی عہد صحابہ سے مختلف فیہ ہے"

(فتاوی رشیدیہ ص112)

"مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مزہب کی تائید ہوتی ہے پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے، کیونکہ اول زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں۔۔۔"

(فتاوی رشیدیہ ص540)

۲: حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"دونوں طرف اکابر اور دلائل ہیں، ایسے اختلافی امر کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟"

(امداد الفتاویٰ ج5 ص379)

"غرض اس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے"

(التکشف ص450)

۳: حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

"مسئلہ سماع موتیٰ قرون اولیٰ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا بھی اس میں اختلاف تھا۔ قرن صحابہ کے بعد بھی ہمیشہ علماء اس میں مختلف رہے"

=÷=

(کفایت المفتی ج1 ص196 وفی نسخۃ ص202،203)

اکابر اشاعت کی تحقیقات

۱: شیخ الحدیث قاضی شمس الدینؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے شیخ حضرت حسین علی صاحب مرحوم و مغفور مسئلہ سماع موتیٰ میں فرماتے تھے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں زیادہ شدت اور بحث و تمحیص نہ کی جائے اور زیادہ کوشش توحید و سنت کی اشاعت اور شرک کی تردید میں کی جائے"

(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست 1984 ص46)

۲: شیخ القرآن غلام اللہ خان مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن میں لکھا ہے:

"سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے جس میں بحث و تمحیص اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔"

(جواہر القرآن۔ الروم، ص902)

۳: شیخ القرآن محمد طاہر صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک انکار سماع کا قول راجح ہے اور سماع کا قول مرجوح ہے لیکن اس کے باوجود میں سماع موتیٰ کے قائلین کو کافر تو درکنار گمراہ بھی نہیں کہتا ہوں۔۔۔"

(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست 1984، ص12)

جمہور اہل اسلام سماع موتیٰ کے قائل ہیں

۱: علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"وذهبت طوائف من اهل العلم الى سماعهم فى الجملة وقال ابن عبد البر ان الاكثرين على ذلك وهو اختيار ابن جرير طبرى وكذا ذكره ابن قتيبةؒ وغيره۔۔"

(روح المعانی ج6 ص454)

=÷=

ترجمہ: اہل علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اس پر ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبریؒ نے اختیار کیا اور اسی طرح امام ابن قتیبہؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

۲: حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"والسف مجمعون على هذا وقد تواترت الاخبار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحى له ويستبشربه"

(کتاب الروح لابن القیم ص4)

ترجمہ: حالانکہ سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے خبریں منقول ہیں کہ مردہ اس زندہ کو جو اس کی کی زیارت کے لئے آتا ہے پہچانتا ہے اور اس سے مردہ کو خوشی بھی ہوتی ہے۔

۳: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"وقد خالفها الجمهور فى ذلك وقبلو حديث ابن عمر لموافقة من رواه غيره عليه"

(فتح الباری لحافظ ابن حجر عسقلانی ج3، ص477)

ترجمہ: اور یقینا جمہور اہل اسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت قبول کیا ہے۔

مسئلہ سماع موتیٰ کے مختلف فیہ ہونے اور جمہور صحابہ کا سماع موتیٰ کے قائل ہونے کی دلیل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے سماع کی تاویل علم سے کی ہے مگر اس تاویل کو کسی ایک صحابی نے قبول نہیں کیا نہ بعد کے جمہور امت نے اس کو قبول کیا۔۔۔ تاریخی لحاظ سے خود امی عائشہ صدیقہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی صحابہ سماع کے قائل تھے۔ چنانچہ امی عائشہؓ فرماتی ہیں:

"قالت عائشه: والناس يقولون: لقد سمعوا ما قلت له۔۔۔"

(مسند احمد ج6 ص376 وقال ہیثمیؒ رجالہ ثقات مجمع الزوائد ج6 ص87)

=÷=

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ یقیناً (موتیٰ) نے سن لیا جو میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا۔

معلوم ہوا کہ جمہور صحابہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دور میں سماع موتی کے احادیث زور و شور سے روایت کرتے رہے ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حجرؒ کے بعد کے جمہور نے بھی جمہور صحابہ کی روایت قبول کئے جیسے حدیث انس عن عمر (مسلم ج1 ص 263) حدیث انس عن ابی طلحۃ صحیح بخاری ج2 ص566) حدیث ابن مسعود (مجمع الزوائد ج6 ص88) حدیث عبد اللہ ابن سیدان (مجمع الزوائد ج6، فتح الباری ج8 ص305،306) ان صحابہ کی روایات عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایات کے موافق ہیں۔

سماع موتیٰ فی الجملہ ثابت اور راجح ہے

ہمارے نزدیک سماع موتیٰ درجہ ذیل وجوہات کے بنا پر ثابت اور راجح ہے۔

وجہ ترجیح اول: ادراک و شعور وسماع حیات برزخی کے لوازم میں سے ہیں۔ اذا ثبت الشئ ثبت بلوا زمہ (اصول الشاشی)۔ ندائے حق جلد اول ص514۔۔ میت کے لئے برزخی کلام، سماع، رؤیت، جلوس و قعود، چیخ وپکار، اُنس احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے۔

میت کلام بالصوت کرتی ہے

قالت: قدمونی ---- قالت یا ویلھا !این تزھبون بھا؟ یسمع صوتھا کل شئَی الا الانسان

(بخاری ج1 ص175،176)

مردوں کو فرشتے بٹھاتے ہیں اور سوالات پوچھتے ہیں۔ مردے سن کر جواب دیتے ہیں

اتاہ ملکان فاقعداہ فیقولان لہ ما تقول فی ھذا الرجل محمد فیقول اشھد انہ عبدہ ورسولہ الحدیث

(بخاری ج1 ص178،184،183، اخرجہ مسلم فی صفۃ النار)

مردے قبر سے دوزخ وجنت کے ٹھکانے دیکھ لیتے ہیں

عن انس عن النبی اذا وضع العبد فی قبرہ (الی ان قال) فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار قد ابد لک اللہ بہ مقعدا من الجنۃ فیراھما جمیعا

=÷=

(بخاری ج1 ص183،184)

مردہ چیختا ہے اور غیر ثقلین بھائم (چوپائے) ان کی آواز سنتے ہیں

قال: ثم یضرب بمطرقۃ من حدید ضربۃ بین اذنیہ فصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ الا الثقلین

(بخاری ج1 ص178 ابوداود ض2 ص653)

عن عبداللہ ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الموتی لیعذبون فی قبورھم حتی ان البھائم تسمع اصواتھم

(مجمع الزوائد ج3 ص56)

مردے زندوں کے دعاوذکر سے مانوس ہوتے ہیں

عن عمرو بن العاص قال: فاذا دفنتمونی فسنوا علی التراب سنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور ویقسم لحمھا حتی استا نس بکم و انظر ما ذا اراجع بہ رسل ربی

(مسلم ج1 ص76 وابوعوانہ ج1 ص71)

وجہ ترجیح دوم: سماعِ موتیٰ لکلام الاحیاء پر احادیث صریحہ صحیحہ ثابت ہے۔

جیسے سماع اہل قلیب بدر عن ابن عمر (بخاری) حدیث انس عن عمر (مسلم ج1 ص263) حدیث انس عن ابی طلحۃ صحیح بخاری ج2 ص566) حدیث ابن مسعود (مجمع الزوائد ج6 ص88) حدیث عبد اللہ ابن سیدان (مجمع الزوائد ج6، فتح الباری ج8 ص306،305)

موتیٰ زندوں کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہیں

حدیث انس ۔انہ لیسمع قرع نعالھم۔۔الحدیث

(بخاری ج1 ص178)

احادیث السلام علی القبور کا تقاضا بھی یہی ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وھو الظاہر المختار الذی تقتضیہ احادیث السلام علی القبور واللہ اعلم

(نووی شرح مسلم ج2 ص387)

=÷=

یعنی ان قلیب البدر کے مردوں کے سماع سے مطلق سماع موتی مراد ہے یہی ظاہر اور پسندیدہ ہے قبروں پر سلام کرنے والی حدیثوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔

وجہ ترجیح سوم: جمہور صحابہ اور علمائے اہل سنت سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔

نوٹ: قائلین سماع موتیٰ کے نزدیک آیات میں سماع نافع کی نفی ہے اور موتیٰ اور کفار میں وجہ شبہ عدم انتفاع ہے۔ وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع وادراک۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں

دلیل نمبر ۱: اگر وجہ شبہ عدم سماع حسی قرار دیا جائے تو (ان تسمع الا من یومن) کا مطلب ہو گا کہ آپ صرف مومنوں کو حسی طور پر آواز سنا سکتے ہیں اور کافروں کو نہیں جبکہ حسی طور پر سماع میں مومن اور کافر ایک جیسے تھے۔ فرق انتفاع اور عدم انتفاع میں ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ کا کلام مومنوں کو نفع دیتا ہے اور کفار کو نفع نہیں دیتا۔ (ان تسمع من یومن) سے معلوم ہوا کہ موتی اور کفار میں وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے۔

دلیل نمبر ۲: اگر وجہ شبہ حسی طور پر عدم سماع قرار دیا جائے تو (اذا ولو مدبرین) کا فائدہ فوت ہو جائے گا کیونکہ صم کے لئے ادبار اور اقبال کی دونوں حالتیں حسی طور پر سماع عدم سماع میں برابر ہیں۔ اگر وجہ شبہ عدم انتفاع قرار دیا جائے تو دونوں حالتیں میں فرق ظاہر ہو گا کہ حالت اقبال میں ممکن ہے اشارات و حرکاتِ متکلم سے نفع اٹھائے بخلاف حالت ادبار کے کہ اشارات و حرکاتِ متکلم سے بھی انتفاع نہ ہو گا۔

دلیل نمبر ۳: استعارہ کے قواعد کے لحاظ سے عدم سماع کو وجہ شبہ قرار دینا درست نہیں۔

(ا) اس لئے کہ وجہ شبہ، مشبہ اور مشبہ بہ میں مشترک ہوتا ہے (مختصر المعانی ص200، المطول ص528)

یہاں عدم سماع حسی میں جانبِ مشبہ (کفار) سے اشتراک نہیں کیونکہ وہ تو حسی طور پر سنتے تھے مگر فائدہ نہیں اٹھاتے۔

(ب) وجہ شبہ کو عقلاء لفظوں سے نہیں سمجھتے بلکہ الفاظ کے معانی سے سمجھتے ہیں

"ان موضوعها على انک تثبت بها معنى لايعرف السامع ذلک المعنى من اللفظ و لکنہ یعرفہ من معنى اللفظ"

(دلائل الاعجاز ص230)

=÷=

اگر وجہ شبہ عدم سماع قرار دیا جائے تو سامع اسکو انک لاتسمع الموتی کے الفاظ سے سمجھ لیتا ہے پھر یہ استعارہ کیسے ہوا؟! ہاں وجہ شبہ عدم انتفاع ہو تو سامع اسکو الفاظ کے معانی سے سمجھ لیتا ہے۔

دلیل نمبر ۴: جمہور مفسرین بھی وجہ شبہ عدم انتفاع ذکر کرتے ہیں

انما شبهوا بالموتى لعدم انتفاعهم باستماع ما يتلى عليهم

(تفسیر بیضاوی علی القرآن العظیم ص 321)

شبههم فى عدم انتفاع بما يتلى عليهم

(جلالین س 174، السراج المنیر ض 2، ص 21)

لاتسمعهم شيئا ينفعهم

(تفسیر ابن کثیر ض 3 ص 384)

انک لاتسمع الموتى ائ الكفار فانهم كالموتى فى عدم الانتفاع بما يستمعون (الى قوله) ان تسمع سما انتفاع الا من يؤمن

(تفسیر جامع البیان س 334)

ان کے علاوہ علامہ قرطبی (تفسیر قرطبی ج 14، ص 340)، امام ابو البرکات علامہ نسفیؒ (تفسیر مدارک الجز الثالث ص 85 طبع دمشق)، حافظ ابن تیمیہ (فتاوی ابن تیمیہ ج 4 ص 298)، حافظ ابن قیم (کتاب الروح ص 55)، علامہ بدر الدین بعلی الحنبلی (مختصر الفتاوی المصریہ ص 189)، حافظ ابن حجر (فتح الباری ج 3 ص 477)، علامہ عبد العزیز فرہاروی (نبراس ص 281) وغیر ھم جملہ حضرات بھی وجہ تشبیہ عدم انتفاع بیان کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۵: انک لا تسمع الموتى اور وما انت بمسمع من فى القبور سے بالاجماع بعبارۃ النص عدم سماع حقیقی کی نفی مقصود نہیں بلکہ کفار سے سماع کا مجازی معنی کی نفی مقصود ہے یعنی عدم انتفاع بمسموعهم اور اس کے لئے کلام کا سوق ہے سيق الكلام لاجله۔۔۔ اور باشارۃ النص وہی انتفاع موتیٰ سے بھی منفی ہو گا اگر اس سے سماع کا معنی حقیقی کی نفی مراد لیا جائے تو ایک ہی لفظ سے حقیقت اور مجاز دونوں مراد لینا لازم آئے گا جو خلاف اصول ہے۔ اسی طرح بدلالۃ النص بھی موتی سے انتفاع ہی منفی ہو گا کیونکہ عبارۃ النص اور دلالۃ النص کی علت (لغوی) ایک ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۶: "قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ میں دو معنوں کے احتمال ہوں، ایک احتمال میں تخصیص کرنی پڑتی ہے اور

دوسرے احتمال میں لفظ اپنے عموم پر رہتا ہے تو ایسے معنیٰ پر حمل کرنا جس سے عموم برحال رہے اس معنی سے بہتر ہے جو تخصیص کا باعث ہو اگرچہ وہ معنی مجازی ہو جس سے عموم قائم رہتا ہو یعنی ایسے موقع پر مجاز لینا حقیقت سے اولیٰ ہے، مگر عموم برحال رہنا چاہیے اگرچہ حقیقت کو چھوڑنا پڑے مثلاً اولامستم النساء میں ملامست کا لفظ ہے اور اس کے دو معنی ہیں 1۔۔ حقیقی (ہاتھ لگانا، چھونا) 2۔۔ مجازی (جماع) امام شافعی حقیقی معنی مراد لیتے ہے کیونکہ یہ اصل ہے لیکن النساء کے عموم سے غیر المحارم کی قید بڑھا کر مخصوص منہ البعض بنا کر محارم کو حکم عمومی سے نکالا اور حنفی مجازی معنی لیتا ہے اور النساء کا عموم برحال رکھتے ہیں کیونکہ لفث کے تمام موجب پر عمل کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ بعض موجب لفظ کو ترک کریں کیونکہ تمام موجب پر عمل کرنے میں فائدہ کثیرہ ہے۔۔۔۔ بعدہ متن اصول الشاشی"۔

(ندائے حق جلد اول، ص 301)

اسی طرح ہم کہتے ہیں انک لاتسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور آیات میں عدم اسماع کے فرع عدم سماع کے دو معنی ہیں 1۔۔ حقیقی (عدم ادراک المسموعات)، 2۔۔ مجازی (عدم انتفاع من الواعظ والتذکیر، عدم قبول ہدایت)

اہل سنت میں جو منکرین سماع ہیں وہ حقیقی معنی لیتے ہیں لیکن اجماعی مسلک کے مطابق وہ حضرات الموتیٰ کے عموم سے انبیاء علیہم السلام کا استثناء کرتے ہیں جیسے مناسک کے باب میں تصریح کرتے ہیں اور اس طرح سماع اہل قلیب بدر اور سماع خفق النعال فی اول الوضع کی تخصیص کرتے ہیں جبکہ قائلین مجازی معنی مراد لیتے ہیں اور الموتیٰ کا عموم بحال رکھتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد سب دار العمل میں نہیں رہے جن کو انتفاع من الواعظ والتذکیر اور ہدایت قبول کرنا تھا دنیا میں کیا ہے اور جو لوگ بسبب مہر جباریت محروم رہے اب محروم ہی رہیں گے، سب کو مرنے کے بعد اس امر سے کچھ تعلق نہ رہا۔

اب بقول نیلوی یہاں دو معنوں کے احتمال ہے، ایک احتمال میں تخصیص کرنی پڑتی ہے اور دوسرے احتمال میں لفظ اپنے عموم پر رہتا ہے تو ایسے معنیٰ پر حمل کرنا جس سے عموم برحال رہے اس معنی سے بہتر ہے جو تخصیص کا باعث ہو اگرچہ وہ معنی مجازی ہو جس سے عموم قائم رہتا ہو یعنی ایسے موقع پر مجاز لینا حقیقت سے اولیٰ ہے، مگر عموم

=÷

برحال رہنا چاہیے اگرچہ حقیقت کو چھوڑنا پڑے۔ مجازی معنی کو مفسرین اور علماء عظام نے بیان کیا ہے جیسے سابقہ حوالوں سے واضح ہے۔

نیلوی مرحوم لکھتے ہیں:

”جب اس آیت میں تین مفہوم کا احتمال ہے تو حسب قاعدہ اذا جاءالاحتمال بطل الاستدلال اس ایت کو حیاۃِ انبیاء کی دلیل بنانا ہی سرے سے باطل ٹھیرا۔

(نداء حق جلد دوم ص10)

”نیلوی کہتا ہے کہ یہ آیت بھی کئی معنوں کی محتمل ہے اور احتمال سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا چنانچہ اس (1) آیت کے معنی یہ بھی ہیں جو سدی نے بیان کئے ہیں کہ حضرت موسی علیہ اسلام نے تورات اپنی رضامندی سے قبول کی تھی آپ اس بات میں شک نہ کرنا چاہئے

(نداء حق جلد دوم ص16)

گویا نیلوی کے قواعد کے مطابق مماتیوں کا اس سے عقیدہ عدم سماع موتی پر استدلال باطل ہے اور مزکورہ احتمال (معنی مجازی کے ہوتے ہوئے اس) سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

مفسر قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقد احتجت عائشۃ رضی اللہ عنھا فی انکارھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسمع موت بدر بھذہ الآیہ فنظرت فی الامر بقیاس عقلی ووقفت مع ھذا الآیۃ وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما انتم باسمع منھم“

(تفسیر قرطبی ج13، ص232)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے سماع موتی کے انکار میں اس آیت سے دلیل پکڑی ہے پس ان کا یہ نظریہ عقلی قیاس پر مبنی ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہیں۔

علامہ داود بن سلیمان البغدادی الحنفی لکھتے ہیں:

”قال ابن تیمیہ فی کتاب الانتصار للامام احمدؒ وانکار عائشۃ رضی اللہ عنھا

=÷=

سماع اهل القليب الكفار معذورة فيہ لعدم بلوغها النص وغيرها لا يكون معذورا"

(المنحۃ الوهبيۃ ص13)

ترجمہ:۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الانتصار للامام احمدؒ میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قلیب بدر کے مردوں کے بارے میں سماع کا انکار کرنا عذر کی بناء پر تھا وہ اس میں معذور تھیں کیونکہ ان کو نص حدیث نہیں پہنچی تھی لیکن ان کے علاوہ کوئی اور معذور شمار نہیں کیا جاسکتا۔

=÷=

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

کیا امام صاحب نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا؟

دلائل کے میدان میں احناف سے شکست کھانے والی جماعت فرقہ غیر مقلدین اپنی غیر مقلدیت کی مردہ تحریک میں جان ڈالنے کے لئے مختلف قسم کے بے اصول وبے سروپا اعتراضات کرتے ہیں تاکہ کم از کم کوئی عام بندہ شکوک کا شکار ہو کے فقہ حنفی سے بد ظن ہو کر مسلک غیر مقلدیت کو قبول کریں۔ اعتراضات کا سہارا لیکر کسی کو پھنسانا کوئی کمال نہیں کیونکہ عوام علمی اعتبار سے خالی الذھن ہوتے ہیں ان کو اگر کوئی دہری (یعنی منکر خدا) خدا کے موجود نہ ہونے پر دلائل دینا شروع کریں تو بھی یہ بندہ متاثر ہو گا کوئی عیسائی، یہودی، یا شیعہ کافر اپنے مسلک پہ دلائل بیان کرنا شروع کریں تو بھی یہ ان پڑھ عام آدمی اُس سے متاثر ہو جائیگا۔ کیونکہ اِسکو مختلف باطل مذاہب کے بارے میں کسی چیز کا علم ہی نہیں۔ لہذا ضرور یہ آدمی اعتراضات سے متاثر ہو کر اپنا مسلک چھوڑ جائیگا اگر اپنا مسلک نہ چھوڑے کم از کم اپنے مسلک پہ بد ظن تو ہی جائیگا۔

فرقہ غیر مقلدین سے وابسطہ حضرات ایک احمقانہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیا اِمام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی تقلید کا حکم دیا تھا؟ اگر حکم دیا تھا تو بتائیں کس کتاب میں ہے؟ اور اگر نہیں دیا تھا جو کہ یقیناً نہیں دیا تھا تو بتائیں کہ بعد کے مولویوں کو اِس بات کا کیا حق ہے کہ وہ لوگوں کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید پر مجبور کریں۔

جواب: غیر مقلدین کے نزدیک دلائل دو ہیں کتاب اور سنت۔ غیر مقلدین اِن دو دلیلوں میں سے کسی ایک دلیل سے ثابت کریں کہ صرف اُس مجتہد، امام وماہر فن کی بات ماننی ہے جو اپنی زبان سے اپنی اتباع کا حکم دے، ہم ضد نہیں کرتے اگر کوئی ایسا دلیل غیر مقلدین دکھادے تو بیشک ہم تقلید کو چھوڑ جائینگے۔

یاد رکھیں! ہمارے اہل السنت والجماعت کے ہاں دلائل شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اُمت، اور قیاسِ مجتہد، ان چار دلیلوں سے جو مسئلہ ثابت ہو گا وہ شرعی مسئلہ ہو گا، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مجتہد امام ہونا اُمت کے اجماع سے ثابت ہے جس کے منکر کو قرآن نے جہنمی کہا ہے اور مجتہدین کی تقلید قرآن وسنت کے دلائل سے ثابت ہے جس طرح قاری عاصم کوفی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں اپنی قراءۃ کو جمع کر کے عوام کے سامنے پیش کر دیا جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ لوگ اس کو پڑھیں، اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے

=÷=

اپنی فقہ عمل کرانے کے لئے مدون کرائی بلکہ ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ اگر میرا کوئی قول حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے تو وہ قابل عمل نہ ہو گا لیکن آپ رحمہ اللہ کے بڑے بڑے شاگردوں نے واضح طور پر ان اقوال کو قرآن وسنت کے خلاف نہیں پایا۔ مسند الہند امام شاولی اللہ رحمہ اللہ اپنی عظیم کتاب حجۃ اللّٰہ البالغہ (صفحہ ۱۵۷) پہ امام ابو حنیفہ رحمہ کا قول نقل نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

لاينبغي لمن لم يعرف دليلي ان يفتي بكلامي

ترجمہ: یعنی مناسب نہیں ہے اُس شخص کے لئے میرے قول وکلام کے ساتھ فتویٰ دینا جو میری دلیل کو نہیں جانتا۔

اس قول سے واضح ہو گیا کہ جو شخص امام صاحب کی دلیل کی معرفت رکھتا تھا ان کو امام صاحب اپنے قول پر فتویٰ دینے کا حکم دیتے تھے۔ بالفاظ دیگر اپنے قول پر فتویٰ دینے کے حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ میری تقلید کرو۔ صرف الفاظ کا فرق ہے باقی مطلب ومفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ عقد الجید مجتبائی (صفحہ ۵۳) نقل فرماتے ہیں کہ

امام ابو حنیفہؒ سے سوال ہوا کہ آپ کوئی قول بیان کریں اور کتاب اللہ اسکے خلاف ہو تب کیا کرنا چاہیے امام صاحب نے جواب دیا:

أتركواقولي بكتاب اللہ: یعنی میرے قول کو کتاب اللہ کے مقابلے میں چھوڑ دو عرض کیا گیا کہ جب خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو؟ فرمانے لگے اتركوا قولي بخبرالرسول صلي اللہ عليہ وسلم، کہ میرا قول اگر خبر رسول کے خلاف ہو تو میرا قول چھوڑ دو خبر رسول ہی کو لینا۔ عرض کیا گیا کہ جب آپ کا قول صحابہ کے قول کے خلاف ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ امام صاحب نے فرمایا اتركوا قولي بقول الصحابة: کہ میرے قول صحابہ کے مقابلے میں نہ لینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب یہی فرماتے تھے کہ میرا جو قول کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اسی طرح صحابہ کے خلاف نہ ہو تو اُسکو نہ چھوڑنا۔ اب نہ چھوڑنے کا مطلب کیا ہے یعنی میرے اقوال کو لیے لینا اور یہی تقلید کا نام ہے بالفاظ دیگر امام صاحب کہنا یہ چارہے ہیں کہ میرے اقوال پر عمل کر، یعنی میری تقلید کیجئے غیر مقلدین

=÷

سوالات کا مدار صرف اور صرف اقرار پر ہی رکھتے ہیں یعنی امام صاحب کا اقرار دکھاؤ کہ تم میری تقلید کرو، اسی طرح امام صاحب کا اقرار دکھاؤ کہ فقہ اکبر میری کتاب ہے یا امام صاحب کا اقرار دکھاؤ کہ تقلید واجب ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ ہر جگہ اقرار کا مطالبہ کرنے سے دین ودنیا کے بہت سے امور کا انکار لازم آتا ہے مثلاً کوئی منکر حدیث یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول واقرار دکھادے کہ میں محدث ہو یا میں مؤمن ہوں یا مجھے محدث ماننا۔ اگر یہ اقرار آپ نہ دکھادے تو نعوذ باللہ امام بخاری کا محدث یا مؤمن ہونا ثابت نہ ہو گا اسی طرح کوئی منکر صحابہ اگر یہ مطالبہ کریں کہ ہر ہر صحابی کا قول واقرار دکھادے کہ میں صحابی ہوں مجھے مان لو تب میں اُن کو صحابی تسلیم کرونگا ورنہ نہیں۔ کیا کوئی صحابی سے یہ الفاظ اس منکر کو دکھاسکتے ہیں ہر گز نہیں۔ لہذا ان جیسے تمام سوالات غلط ہے۔

ایک اور آسان مثال:

طبیب، ڈاکٹر کے پاس ہزار قسم کی دوائیاں، ونسخے موجود ہوتے ہیں مگر وہ اپنے جگہ پہ بیٹھا رہتا ہے اعلانات نہیں کرتے کہ آؤ میرا تجویز کردہ دوا استعمال کرو۔ بلکہ ڈاکٹر، اور طبیب کے نسخوں کا موجود ہونا ہی اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ یہ دوائیاں ونسخے مریض کے استعمال کرنے ہی کے لئے ہیں۔

بالکل اسی طرح امام صاحب نے فقہ کو مدون کرادیا جو کہ بارہ لاکھ سے زیادہ مسائل پر مشتمل ہیں۔ اب اگرچہ امام صاحب یوں نہ کہے کہ میری فقہ کو مان لو اسکی تقلید کرو۔ بلکہ فقہ کے مسائل کا لکھنا یہ دلالت ہے اس بات پہ کہ یہ مسائل عمل کرنے کے لئے ہی ہے۔ اور اسی کا نام تقلید ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اتباع کامل نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

=÷=

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلّہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

مسئلہ وحدۃ الوجود کے عنوان پہ لکھی گئی مولانا عبد الرحمن عابد حفظہ اللہ (پشاور) کی کتاب

نصرۃ المعبود پر تقریظ

غیر مقلدین کے حلقہ میں "امام العصر" سمجھے جانے والے بزرگ مولانا محمد اسماعیل سلفی (جمعیۃ اہل حدیث پاکستان کے سابق ناظم) لکھتے ہیں:

"علماء دیوبند کو ان کی علمی خدمات نے اتنا ہی اونچا کر دیا ہے جتنا مناظرات نے ہم کو نیچا دکھایا اور ذہنی طور پر جماعت کو قلاش کر دیا۔"

(نتائج التقلید صفحہ:ق)

جب غیر مقلدین مسلسل شکستوں کی وجہ سے ذہنی طور پر قلاش ہوئے تو علمائے دیوبند کے عقائد پر مشق شروع کر دی اور یہ دعویٰ ہانک دیا کہ ان کے عقائد صحیح نہیں۔ غیر مقلدین چوں کہ "وحدۃ الوجود" کو بھی عقیدے کا مسئلہ سمجھتے ہیں، اس لیے اسے بھی نہ صرف تقریر و تحریر کی صورت میں زیر بحث لائے بلکہ فتوے بھی لگائے کہ علمائے دیوبند وحدۃ الوجود والا کفریہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب کہ ان کے علمائے سابقین میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے شاگردوں میں شاید ہی کوئی مصنف ہو گا جو وحدۃ الوجود کو کفر قرار دے کر قائل کو کافر کہتا ہو۔ چوں کہ وہ لوگ وحدۃ الوجود کے خلاف موجودہ آلِ غیر مقلدیت کی طرح شور و غوغا نہیں مچاتے تھے، اس لیے دفاع اور اقدام کے حوالے سے علمائے دیوبند کو بھی اس عنوان سے لکھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ کے آخری دَور میں وحدۃ الوجود پہ غیر مقلدین کی طرف سے کافی حد تک لے دے شروع ہو چکی تھی، اس لئے اوکاڑوی صاحب نے وحدۃ الوجود کی تشریح بیان فرمائی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کی سوانح "مآثر صدیقی: ۴/۳۹" سے ایک حوالہ تجلیاتِ صفدر میں نقل کیا جس میں درج ذیل باتیں ہیں:

وحدۃ الوجود کا مسئلہ دلائل پر مبنی ہے، وحدۃ الوجود کو ضلالت و گمراہی نہیں کہہ سکتے، وحدۃ الوجود کو ضلالت و کفر قرار دینے سے بہت سے علماء کرام اور مشائخ عظام کی تضلیل و تکفیر لازم آتی ہے۔

غیر مقلدین کی طرف سے تائیدی بات یا اُن کے وحدۃ الوجودی ہونے پر یہی اِک حوالہ پڑھنے کو ملتا تھا۔

=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=÷=

کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ بندہ نے ضرورت محسوس کی کہ جو لوگ وحدۃ الوجود کو کفر کہتے پھرتے ہیں، پہلے اُن کی کتب کو دیکھ لیا جائے۔ جب اُن کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو ان میں جگہ جگہ وحدۃ الوجود کا اثبات ملا اور وحدۃ الوجود کے حامی بزرگوں کی مدح سرائی بھی پائی، اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے شیخ ابن عربی سمیت وحدۃ الوجود کے قائلین کو اپنا ہم مسلک بھی لکھا ہوا تھا۔ بندہ نے اپنے حاصل مطالعہ کو "مسئلہ وحدۃ الوجود اور آلِ غیر مقلدیت" عنوان سے جمع کر دیا جو ماشاء اللہ قریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب الگ سے بھی دستیاب ہے اور اس کا کافی حصہ میری کتاب "زبیر علی زئی کا تعاقب" میں شامل ہے۔ اس کتاب میں وحدۃ الوجود کے ایک بڑے مخالف حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد کے متعدد مضامین کو متن میں رکھ کر حاشیہ میں جواب دیا۔ غیر مقلدین نہ صرف اس کتاب کے جواب سے عاجز ہیں بلکہ اَب حالت یہ ہے کہ وحدۃ الوجود کے عنوان پر نہ تو وہ پہلے جیسا شور مچاتے ہیں اور نہ ہی اتنی مناظرانہ چیلنج بازی کرتے ہیں۔

کچھ مصنف "نصرۃ المعبود" کے بارے میں

اور اَب تو ماشاء اللہ حضرت مولانا عبد الرحمن عابد حفظہ اللہ نے بھی اس عنوان پر مستقل کتاب "نصرۃ المعبود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود" تحریر کر دی جو عن قریب منظر عام پر آرہی ہے ان شاء اللہ۔ اور یہ مشاہدہ ہے کہ جو کتاب بعد میں لکھی جائے اس میں نسبۃً جامعیت زیادہ ہوتی ہے اور مندرجات بھی وافر۔ کتاب کا تعارف کرانے سے پہلے کچھ باتیں حضرت مصنف حفظہ اللہ کے متعلق عرض کر دینا مناسب ہو گا ان شاء اللہ۔

مولانا عبد الرحمن عابد صاحب فرقوں خصوصاً غیر مقلدیت اور مماتیت پر بہت زیادہ مطالعہ رکھتے ہیں اور وہ ماشاء اللہ اپنے حاصل مطالعہ کو شائع بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے بہت سے مضامین مختلف رسائل: ترجمانِ احناف پشاور اور راہ ہدایت پشاور وغیرہ میں شائع ہوئے اور متعدد کتابیں بھی منظر عام پہ آچکی ہیں۔ ماشاء اللہ ان کے مضامین ہوں یا کتابیں علم و تحقیق سے وابستہ لوگ بڑی دل چسپی سے پڑھتے ہیں اور میں خود بھی ان کی تحریروں سے استفادہ کرتا رہتا ہوں۔ مولانا صاحب کی کرم نوازی ہے کہ اُن کی جب بھی اردو زبان میں کوئی کتاب شائع ہوتی ہے تو اِس کا ایک نسخہ ہدیۃً مجھے بھیج دیتے ہیں جزاہم اللہ۔ اُن کی کتابیں: توضیحات عبارات اکابر ... اور قھرالباری علی امین اللہ البشاوری وغیرہ میری لائبریری کی زینت بھی ہیں اور میرے مطالعہ سے بھی گزریں۔

=÷=

مولانا صاحب حفظہ اللہ علم کے حوالے سے سخی ہیں جب انہیں کوئی نئے حوالے ملتے ہیں تو دوستوں کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے حاصل مطالعہ کی فہرست واٹس ایپ کے ذریعے ساتھیوں کو بھیج دیتے ہیں۔

مناظرین اور مصنفین کا اِک واٹس ایپ گروپ ہے اس میں جب کوئی ساتھی مشورہ طلب کرتا ہے یا حوالہ مانگتا ہے تو حضرت مولانا صاحب اس کے ساتھ تعاون کر دیتے ہیں۔ چوں کہ میں بھی اس گروپ میں شامل ہوں اس لیے اُن کی علمی سخاوت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔

مولانا صاحب ماشاء اللہ علمی اعتبار سے ذی استعداد عالم ہیں، اس لیے کمال کے مدرس بھی ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ صرف تصنیف یا مناظرہ کے میدان کے شہسوار نہیں بلکہ علم و تحقیق کی دنیا میں اپنا اک منفرد مقام رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ مزید ترقی نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا صاحب ماشاء اللہ مناظرانہ ذوق کے مالک ہیں۔ پشاور کے مشہور عالم و مفتی اور مناظر حضرت مولانا مفتی ندیم المحمودی صاحب حفظہ اللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں، عموماً ہر مناظرہ میں اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب کے کئی کامیاب مناظرے ریکارڈ کا حصہ ہیں جنہیں اہلِ ذوق سنتے رہتے ہیں۔ اُن کے مناظرے عموماً پشتو زبان میں ہیں مگر دل چسپی کا عالم یہ ہے کہ میں غیر پشتو ہونے کے باوجود وہ مناظرے سنا کرتا ہوں۔

کچھ "نصرۃ المعبود" کتاب کے بارے میں

اَب آتے ہیں حضرت مولانا عبد الرحمن عابد حفظہ اللہ کی کتاب "نصرۃ المعبود فی مسئلۃ وحدۃ الوجود" کی جانب۔ ماشاء اللہ میں نے اس کتاب کے اکثر حصہ کا مطالعہ کیا، مطالعہ کرنے سے کتاب کی بابت جو تعارف حاصل ہوا، اسے یہاں درج کر دیتا ہوں وباللہ التوفیق۔

مصنف حفظہ اللہ نے "پیشِ لفظ" کے تحت کتاب لکھنے کی غرض تحریر کی کہ غیر مقلدین وحدۃ الوجود کو مدار بنا کر چوں کہ عوام کو علمائے دیوبند اور صوفیا عظام سے متنفر کر رہے تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ وحدۃ الوجود کی بابت وضاحت اور اصلیت بیان کر کے ازالۂ اوہام کیا جائے۔

علمائے دیوبند نے وحدۃ الوجود کی تشریح یوں کی: اللہ تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں مخلوق کے وجود کو کالعدم سمجھنا، جیسے دن کے وقت بھی جگنو موجود ہوتا ہے اور اس میں روشنی والی صفت بھی قائم ہوتی ہے، مگر روشنی

نظر نہیں آتی۔اس کی روشنی سورج کی روشنی کے مقابلہ میں کالعدم ہوتی ہے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں مخلوق کا وجود کالعدم کے درجہ میں ہے۔وحدۃُالوجود کی اس تعریف کے مطابق نہ مخلوق کے وجود کی نفی ہے،نہ خالق اور مخلوق کو ایک باور کرایا گیا اور نہ اس میں کوئی شرعی اعتراض ہو سکتا ہے۔

وحدۃ الوجود سے الگ تھلگ دو چیزیں:حلول و اتحاد ہیں۔ حلول کا معنی کسی چیز میں حل ہو جانا ہے جیسے دودھ میں چینی حل ہونے کے بعد اس کا وجود نہیں ہوتا بلکہ صرف دودھ ہی رہتا ہے۔اتحاد کا مطلب دو چیزوں کو اس طرح چپکا اور جوڑ دیا جائے کہ وہ دو کی بجائے ایک ہی محسوس ہو جیسے ایک کاغذ کو دوسرے پہ چپکا کر دونوں کو ایک بنا دیا جائے۔ایک عام انسان کو سمجھا دیا جائے تو وہ بھی جان لے گا کہ وحدۃ الوجود اور چیز ہے اور حلول و اتحاد چیزے دیگر است۔لیکن افسوس کہ غیر مقلدین وحدۃ الوجود کا مطلب حلول و اتحاد بیان کر کے کہتے ہیں کہ وحدۃ الوجود کفریہ عقیدہ ہے،لہٰذا اس کے قائلین مسلمان نہیں۔ مصنف حفظہ اللہ نے کھول کر بیان کیا کہ غیر مقلدین کی طرف سے وحدۃ الوجود پر حلول و اتحاد کی تعریف چسپاں کرنا غلط اور پھر اسے بنیاد بنا کر تکفیر بازی کرنا غلط در غلط ہے۔

مصنف نے وحدۃ الوجود کی تعریف صوفیائے حق سے نقل کی، پھر علمائے دیوبند کی زبانی بھی درج کی، جس سے ثابت کیا کہ صوفیائے حق اور علمائے دیوبند میں سے کوئی بھی حلول و اتحاد کا قائل نہیں بلکہ وہ اس کا رَد لکھ چکے ہیں۔

مصنف نے وحدۃ الوجود کے اثبات پر غیر مقلدین کے کئی فتاوی اور حوالے نقل کئے۔ جن سے غرض مخالفین کو جھنجھوڑنا ہے کہ اگر تم وحدۃ الوجود کو کفر بتاتے ہو تو اپنے ان غیر مقلدین کی بابت کیا فتوی دو گے ؟ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ غیر مقلدین کے مشہور مصنف مولانا عبد العزیز نورستانی نے لکھا:

> ”وحدۃ الوجود یا توحید وجودی کی تعبیر جو بھی، جیسے بھی، جس بھی خوب صورت اور بہتر سے بہتر طریقے سے کرے وہ کفر اور زندقہ ہی ہے، باطل ہی باطل ہے چاہے جتنی بھی اس کی بہتر اور مختلف انداز سے تعبیر کی جائے۔“

(ڈاکٹر اسرار صاحب کا نظریہ توحید الوجودی اور اس کا شرعی حکم صفحہ:۱۴)

مولانا محمد رفیق اثری، مولانا ارشاد الحق اثری اور حافظ محمد شریف وغیرہ آلِ غیر مقلدیت نے اس فتوی کی

تصدیق و تائید کر رکھی ہے۔ اس فتویٰ کے پیش نظر غیر مقلدین اپنے فتویٰ تکفیر سے اپنے اُن بزرگوں کو نہیں بچا سکتے جنھوں نے وحدۃ الوجود کے اثبات میں لکھا۔ جب غیر مقلدین اپنے بزرگوں پر وارد اعتراض کا جواب نہیں دے پاتے تو رٹا رٹایا جواب دہرا دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قرآن و حدیث حجت ہے، کسی کا عمل نہیں۔ حالاں کہ یہاں یہ بحث ہے ہی نہیں کہ کس کی بات حجت ہے اور کس کی نہیں، بلکہ یہ مطالبہ ہے کہ جب آپ لوگوں کے نزدیک وحدۃ الوجود کفریہ عقیدہ ہے تو اس کے قائل غیر مقلدین پر کفر کا فتویٰ لگائیں۔ کسی پر فتویٰ لگاتے ہوئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کی بات حجت ہے یا نہیں؟ بلکہ تضلیل و تکفیر کا فتویٰ لگتا ہی اسی پر ہے جس کی بات حجت نہیں ہوتی۔ لہذا اَب غیر مقلدین فتویٰ لگانے کی ہمت کریں اور "اُن کی بات حجت نہیں" والا جملہ دہرانا چھوڑ دیں۔ یہ اپنے بزرگوں پر وارد الزام کا جواب نہیں، بلکہ جواب سے بے بسی کا اظہار ہے۔

بعض غیر مقلدین نے شیخ ابن عربی کو وحدۃ الوجود کا سب سے بڑا علمبردار کہہ کر اُن کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ مصنف حفظہ اللہ نے ابن عربی کا دفاع پیش کیا، مزید یہ بھی بتایا کہ غیر مقلد بزرگوں کو ابن عربی کے ساتھ بہت زیادہ عقیدت ہے، انہوں نے ان کے دفاع میں تحریریں لکھیں اور زبان کو بھی استعمال میں لائے۔ میاں نذیر حسین دہلوی نے تو وحدۃ الوجود کے حامی بزرگ شیخ ابن عربی کے مخالف کے ساتھ پندرہ دن تک مناظرہ جاری رکھا بالآخر مخالف کو ہم نوا بنا ہی لیا۔ مزید یہ کہ مصنف نے متعدد غیر مقلد لکھاریوں کی عبارات نقل کیں جن میں صراحۃً ابن عربی کو مخالفِ تقلید اور اہل حدیث بھی لکھ ہوا ہے۔

مصنف حفظہ اللہ نے وحدۃ الوجود کے اثبات میں ان شخصیات کی عبارات بھی نقل کیں جنہیں غیر مقلدین بھی عموماً معزز و محترم سمجھتے ہیں مثلاً: امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ۔ بلکہ اُن میں سے بعض کے متعلق تو غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ اہلِ حدیث تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور خاص کر شاہ اسماعیل شہید کو تو کھلے عام اہلِ حدیث لکھ رکھا ہے۔

مصنف حفظہ اللہ نے شطحیات اور غلبہ حال کے متعلق بھی وضاحت کی کہ شطحیات قابل مؤاخذہ نہیں اور غلبہ حال کی وجہ سے جو بات صادر ہو وہ بھی عفو ہے۔ ایسی چیزیں نہ تو قابل اقتداء ہوتی ہیں اور نہ قابلِ گرفت جیسا کہ خود بعض غیر مقلدین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ مگر کیا کریں مخالف طبقہ شطحیات اور غلبہ حال والے پہلو سے صرف نظر کر کے اعتراض کر چھوڑتا ہے جو کہ غلط ہے۔

=÷=

مصنف نے وحدۃ الوجود کے حوالہ سے غیر مقلدین کے متضاد خیالات بھی نقل کئے ہیں۔ کچھ کے نزدیک وحدۃ الوجود کفر ہے اور جب کہ بعض اسے نہ صرف صحیح سمجھتے ہیں بلکہ اس کے صحیح ہونے پر دلائل بھی دیتے ہیں۔

جس طرح ہر فن کی کچھ اپنی اصطلاح ہوتی ہیں، اسی طرح صوفیاء کی بھی اپنی اصطلاحات ہیں۔ اس لیے جس فن کا مسئلہ ہو اُس کی وضاحت اور اصطلاحی تعریف اُسی فن کی کتابوں سے نقل کرنی چاہیے۔ لیکن غیر مقلدین بات تو صوفیاء کی پیش کرتے ہیں مگر اُن کی بیان کردہ اصطلاح سے نظریں ہٹا کر اپنا من پسند مطلب بیان کرکے اعتراض کر دیتے ہیں۔ مصنف حفظہ اللہ نے اس بات پہ روشنی ڈالی ہے کہ صوفیاء کی بات پیش کرتے ہو تو اس کی وضاحت بھی صوفیاء سے پیش کرو، صوفیاء کی اصطلاح کے برعکس نہ تو لغت کا سہارا لیں اور نہ خود سے اس کا من پسند مطلب بیان کریں۔

وحدۃ الوجود کے اثبات پر اس سے پہلے بھی کئی کتابیں لکھی گئیں، مگر اُن میں زیادہ تر بحث صوفیانہ اقوال کے پیشِ نظر ہے، مصنف حفظہ اللہ نے صوفیاء کے اقوال بھی درج کئے اور غیر مقلدین کے اعتراضات کا بھی جواب دیا۔ بلکہ خود غیر مقلدین کا وحدۃ الوجودی ہونا بھی نقل کیا۔ اس لیے یہ کتاب اُن کے لیے بھی مفید ہو گی جو نفس وحدۃ الوجود جاننا چاہتے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے بھی تحفہ ہے جو غیر مقلدین کے وساوس سے پریشان ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب دونوں طبقوں کے لیے رہنما ثابت ہو گی بلکہ وحدۃ الوجود کو کفر کہنے والے غیر مقلدین کو بھی سوچنے اور نظر ثانی کی دعوت دے گی ان شاء اللہ۔

کتاب لکھنے کے آداب میں یہ بات شامل ہے کہ اگر کوئی حوالہ اصل کتاب کی بجائے کسی دوسری کتاب سے لیا ہو تو بحوالہ فلاں لکھ دینا چاہیے۔ یہ دیانت داری بھی ہے اور اگر بالفرض وہ حوالہ غلط ہو ثابت جائے تو غلطی ناقل کے سر نہیں لگے گی۔ اس کتاب میں بعض مقامات پر ایسے حوالے نظر میں آئے جہاں مصنف نے بات نقل کرکے بحوالہ فلاں لکھ دیا۔ ہمیں اُن کا یہ طرز پسند آیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف حفظہ اللہ کی اس کاوش کو شرف قبولیت دے اور ہمیں اُن کے علوم سے مستفید ہونے کی توفیق دے، آمین۔ آخر میں اہلِ خیر کو متوجہ کرنا چاہوں گا کہ حضرت مولانا عبد الرحمن عابد حفظہ اللہ جیسے محقق اور محنتی مصنفین کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں تعاون فرمائیں تاکہ ان کی علمی و تحقیقی کتب جلد سے جلد شائع ہوں اور لوگوں کے لیے اُن سے استفادہ کی شکل بن سکے۔ اُمید ہے کہ صاحبِ ثروت لوگ اس کارِ

=÷

خیر میں ذوق وشوق سے حصہ لیں گے ان شاء اللہ۔

رب نواز عفا اللہ عنہ

مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

بروز منگل...۲۵ر شوال ۱۴۴۴ھ... مطابق ۱۶ر مئی ۲۰۲۳ء

صرف میسج کے لیے:0307-4034570

یوٹیوب چینل MuftiRabnawazOfficial

=÷=
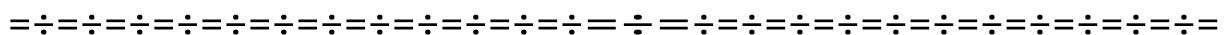
محترم محمد مدثر علی راؤ صاحب

سود کی حرمت سے متعلق غامدی مغالطہ اور اس کا جواب

قارئین کرام! غامدی صاحب جہاں اور بہت سے عقائد و نظریات میں امت مسلمہ سے الگ ہو کر کھڑے ہیں وہاں ایک مسئلہ سود کا بھی ہے۔ غامدی صاحب کے نزدیک سود لینا تو جائز نہیں البتہ سود دینا جائز ہے۔ غامدی صاحب نے اس حوالے سے یوٹیوب پر بھی اپنی تفصیلی گفتگو ریکارڈ کروائی ہے جس میں انہوں نے اس بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ......

"قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سود کے حوالے سے "ظلم" کی علت بیان فرمائی ہے۔ چونکہ سود لینے والا سود لے کر دوسرے شخص پر ظلم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ اس سے مقروض پر قرضہ کیساتھ ساتھ سود کا بوجھ بھی پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا سود لینا تو کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا لیکن سود دینے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں بلکہ ایسا شخص تو مظلوم کہلائے گا کیونکہ وہ اپنا قرض بھی اتار رہا ہے اور اس پر سود بھی ادا کر رہا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیتا ہے نا کہ اسے سزا۔"

"ظلم" علت ہے یا حکمت؟

سب سے پہلے ہم یہ واضح کر دیں کہ سود کے متعلق حکم خداوندی میں "ظلم" علت نہیں بلکہ ایک حکمت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے کسی نہ کسی پر ظلم ہوتا ہے جو کہ غلط ہے۔ اب غامدی صاحب کے بقول انہوں نے سود کی بابت جس علت "ظلم" کو مد نظر رکھتے ہوئے سود لینے کو تو ناجائز سمجھ لیا لیکن اگر جناب تھوڑا اور تدبر کرتے تو انہیں سمجھ آجاتا کہ اسی علت میں سود لینے کیساتھ ساتھ سود دینے کی بھی ممانعت شامل ہے۔

اب اس اجمال کی تفصیل کے لیے سب سے پہلے قرآن کا حکم ملاحظہ فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

=÷=

ترجمہ: پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لو اور اگر توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کروگے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

(سورۃ البقرۃ:278-279)

اس آیت 279 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "لا تظلِمُون ولا تظلَمُون "(نہ تم ظلم کروگے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا)۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سود لینے والا تو ظلم کر رہا ہے لیکن اس پر ظلم کیا جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ "نہ تم پر ظلم کیا جائے گا"۔۔۔۔اب اسی علت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔

بنیادی فلسفہ

ایک شخص اپنی فیکٹری کے لیے بینک سے بھاری رقم کا قرضہ سود پر لیتا ہے۔اس سودی قرضہ سے وہ شخص اپنی فیکٹری میں پراڈکٹ بھی بناتا ہے۔اب جب وہ شخص بینک کو سود سمیت قرضہ کی ادائیگی کرے گا تو لازمی ہے کہ وہ شخص اپنی فیکٹری میں بنائی جانے والی پراڈکٹ پر قیمت بھی دوگنی یا اس سے کئی زیادہ لگائے گا تاکہ بینک کو دیئے جانے والے سودی قرضہ کی رقم کا حصہ نکالا جاسکے۔اب وہ رقم کسی اور کی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی جیب سے ادا ہوگی جن کا اس سودی قرضہ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔اب جب تک وہ شخص بینک کو سودی قرضہ مکمل واپس نہیں کر دیتا وہ اپنا مال مہنگا کر کے ہی فروخت کرے گا۔اگر اس مال کی قیمت ایک ہزار روپے ہے تو وہ شخص اسے آگے پانچ یا دس ہزار میں فروخت کرے گا جس میں وہ "اپنا منافع اور قرضے کی سودی رقم" کو بھی شامل کرے گا اور اسی وجہ سے معاشرے میں مہنگائی جیسا عذاب آنا شروع ہو جائے گا اور سب لوگ تنگ ہونگے۔اس کی ایک زندہ مثال موجود حالات میں پاکستان کا IMF سے لیے جانے والے سودی قرضے ہیں جن کی وجہ سے عوام مہنگائی کا رونا رو رہی ہے اور وجہ اسکی یہی ہے کہ یہ سودی قرضے غریب عوام کی جیب سے ادا کیے جا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سود پر قرضہ کسی اور نے دیا، اس سودی قرضہ کو لیا کسی اور نے لیکن اس سودی قرضہ کی ادائیگی وہ شخص یعنی گاہک کرے گا جس کا اس سب سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرۃ آیت 279 میں یہ ارشاد فرمایا کہ "نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

=÷

یہ تھا وہ بنیادی فلسفہ جسے موصوف نے بالکل ہی نظر انداز کر دیا اور سود لینے کو ناجائز اور دینے کو جائز قرار دے دیا۔

مجبوری میں سودی قرضہ لینا

یہاں پر ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہیے کہ بعض لوگ مجبوری کا کہ کر سود پر قرضہ لینے کو درست سمجھتے ہیں تو اس پر بھی خیال رکھنا چاہیے کہ شدید مجبوری کی صورت میں تو سودی قرضہ لینے کی اجازت ہو سکتی ہے لیکن معمولی مجبوری میں یہ گنجائش نہیں ہے۔اس لیے شدید مجبوری کے بغیر سود پر قرضہ لینا قطعی طور پر جائز نہیں ہو گا۔بلکہ کوشش کی جائے کہ کسی رشتہ دار یا قریبی دوست احباب سے قرضہ حسنہ لے لیا جائے اور اگر کوئی انتظام نہ ہو سکے تو اللہ پر توکل کرتے ہوئے اسی پر قناعت کر لے کیونکہ پھر اسے قرض لینے کے بعد اس قرضہ کی ادائیگی کا بھی تو انتظام کرنا پڑے گا اس وقت جیسے محنت کر کے حلال رقم سے ادائیگی کا انتظام کیا جائے گا ابھی سے اسکی کوشش کر لی جائے تاکہ سودی قرضہ لینے کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر بعد میں ادائیگی میں حلال کا اہتمام نہ ہوا تو یہ گناہ در گناہ ہو جائے گا بلکہ کہیں اس سے زیادہ پریشانی نہ ہو جائے اور سودی قرضہ اتارنے کے لیے پھر سودی قرضے لینے کا سلسلہ نہ کرنا پڑ جائے اور آدمی اگر حرام سے بچنے کے لیے ہمت بلند رکھے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے تو اللہ کی طرف سے مدد بھی ضرور ہوتی ہے اور اللہ تعالی ایسی جگہ سے اسکی مدد کا بندوبست کرتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

=÷

محترم محمد حذیفہ راجکوٹی صاحب

فیصل آباد کے مفتی محمد زاہد صاحب

جامعہ امدادیہ فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے جناب مفتی محمد زاہد صاحب بظاہر تو روایتی انداز و اطوار اپنائے ہوئے رہتے ہیں، لیکن در حقیقت مفتی صاحب روایتی لباس میں جدیدیت کے حامی و داعی اور روایت پسندی کے مخالف ہیں، تبھی آپ حضرت مفتی صاحب کو ہر اس بندے کی پوسٹ پر ضرور دیکھیں گے جس نے روایت پسندی کا ہار اپنے گلے سے اتار پھینکا ہو، خصوصا عمار خان ناصر جیسے منحرف کی پوسٹوں پر مفتی صاحب موصوف اکثر تائید و تصویب کرتے نظر آئیں گے، اور اسی طرح حضرت مفتی صاحب اپنی آئی ڈی سے آئے دن کوئی نہ کوئی نئی پھلجڑی چھوڑتے رہتے ہیں جس سے روایت پسندی پر زد پڑتی ہے۔

گزشتہ کل موصوف کا زیر نظر کمنٹ نظر سے گزرا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"بقول مفتی تقی عثمانی صاحب کے، اکابر علماء دیوبند نے جو مودودی کا رد کیا تھا یہ در اصل سیاسی بنیادوں پر کیا تھا"

مفتی صاحب موصوف کا یہ کمنٹ واضح انداز میں ان اکابر علماء کے اخلاص وللّٰہیت پر حملہ ہے جنہوں نے مودودیت کا رد کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مفتی صاحب کو اپنے اکابر پر اور ان کی تحقیقات پر کتنا اعتماد ہے، یہاں سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اکابر علماء دیوبند نے مودودیت کا رد سیاسی بنیادوں پر کیا تھا تو پھر حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے "حضرت امیر معاویہ اور تاریخی حقائق" کس بنیاد پر لکھی تھی؟ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے یہ بات کی ہوگی کیونکہ حضرت کا عمل خود اس قول کی تکذیب کر رہا ہے۔

قارئین سے آخری گزارش یہ ہے کہ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایسے حضرات جو روایت پسندی کے لباس میں اس کے مخالف ہیں وہ ہمارے مدارس میں منصب تدریس پر براجمان ہے، جو کہ انتہائی خطرناک بات ہے، ہمیں سوچنا اور غور کرنا چاہیے کہ آخر ہم کس طرف جا رہے ہیں؟ اسی طرح مدارس کے مہتممین حضرات کو بھی اس بات کی سخت جانچ پڑتال کرنی چاہیے کہ ان کے مدرسے میں پڑھانے والا استاذ کہیں مسلک اہل السنت والجماعت کا

=÷=

درپردہ مخالف اور اکابر سے بد ظن کرنے والا، اور مسلک اہل السنت والجماعت کے مخالفین کا حامی تو نہیں، کیونکہ یہ طالب علموں کے مستقبل کا معاملہ ہے، خدارا اس پر غور فرمائیں۔

=÷=

شرائط و ضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ رابطہ نمبر: 03428970409